پیغمبر اُمّی

صلی اللہ علیہ وسلم

اُمیّت کا تحلیل و تجزیہ

مولّف : جعفر سبحانی

مترجم : سیّد محمد موسی رضوی

خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران حیدرآباد سندھ

طبع اوّل ــــــ ۱۹۸۵ء

تعداد ــــــ ۲۰۰۰ ہزار

طابع ــــــ مطبوعہ المخزن پرنٹرز کراچی

قیمت ــــــ دس روپیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ = اِقرأ باسم ربّک الذی

بعض افراد کے نزدیک پیغمبر خاتم و نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی حیات طیبہ میں لکھنے پڑھنے سے واقف نہ ہونا اور کسی مدرسے یا مکتب میں نہ جانا ایک طرح کی کمی متصور ہوتا ہے اور وہ آنحضرت کے اُمّی ہونے کو ایک پیغمبر کی علو شان کے منافی سمجھتے ہیں، حالانکہ ان افراد کے خیال و فکر کے برعکس آپ کا اُمّی ہونا نہ صرف یہ کہ کوئی نقص یا کمی کی بات نہیں بلکہ یہ وصف تو آپ کی ذات والا صفات کے حق میں عین کمال اور بلند مرتبہ ہونے کی دلیل ہے۔ لسان الغیب حافظ شیریں بیان نے اس بارے میں کیا فرمایا ہے ؎

نگارِ من کہ بمکتب نرفت و خط ننوشت
بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

میرا محبوب جو نہ مکتب گیا نہ اس نے لکھنا سیکھا، اپنی ادا سے سو مدرّسوں کو مسئلہ سکھانے والا ہو گیا۔

ذرا غور کیجئے! وہ پیغمبر جن کے جسم و جان علم لدُنّی کے بے پایاں چشمہ سے سیراب ہوئے ہوں اور جس نے مکتب غیب سے حکمت و معرفت کا درس لیا ہو تو اُسے مدرسے جانے اور ناقص مکتبوں کی محدود اور ادھوری

تعلیم حاصل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ پیغمبر جو خود عالم بشریّت کا معلم ہوا اور جو جہانوں کے پروردگار کی طرف سے اس لئے بھیجا گیا ہو تاکہ انسانیت کو کتاب ہٰذا کے ذریعہ اخذ علم و دانش کی ھدایت فرمائے اور اُسے کمالات کے بالاترین مراتب تک پہونچائے تو اُسے مدرسے جانے اور کسی اُستاد کے سامنے بیٹھ کر سبق پڑھنے کی کیا ضرورت ہے۔ آپؐ تو وہ معلّمِ انسانیت ہیں کہ جن کی لائی ہوئی وحی آسمانی کے مقابل دنیا بھر کے فلسفی اور دانشور سرِعجز خم کئے ہوئے ہیں اور اس کے دقیق وعمیق معانی کے فہم سے قاصر ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ آپؐ مدرسے جائیں اور اُستاد سے سبق پڑھیں۔ ایک مقدس شارع جس کے مکتبِ فضیلت میں بڑے بڑے دانشمند اور اساتذہ سرِتعظیم جھکائے ہوئے آتے ہوں اور سبھی اس کی بے انتہا نعمتوں کے وسیع دسترخوان کے ریزہ چیں ہوں تو کیا اس کے لئے ممکن ہے کہ وہ ہیچ اور معمولی سا علم حاصل کرنے کے لئے کسی کے سامنے زانوئے تلمّذ تہ کرے؟ اللہ پناہ میں رکھے، اگر یوں ہو۔

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ حضرت رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پُرافتخار زندگی اور آپؐ کی حیاتِ مُبارکہ کی جُزئیات (ولادت باسعادت سے لے کر رحلت فرمانے تک) تمام کی تمام اور غیر مسلم مورخین کے قلم سے حیطۂ تحریر میں آچکی ہیں۔ تو کیا کسی ایک مورخ نے بھی پیغمبرِ اکرمؐ کے مدرسے جانے کے بارے میں کوئی لفظ

اثبات میں لکھا؟ یا وہ قطعی دلیلوں سے ثابت کرسکا کہ آنحضرتؐ نے کسی اُستاد کے دیے ہوئے سبق سے استفادہ کیا؟

اور کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ جزیرۃ العرب کے اُس دَورِ جاہلیت میں علم و معلومات نام کی کوئی شے موجود تھی؟ اور اگر کوئی گِنا چُنا عالم ہوتا بھی تو عربوں کی تاریخ جاہلیت میں کہیں تو اس کا ذکر آتا اور یہ کہ پیغمبر اکرمؐ اگر کسی مکتب میں تعلیم حاصل کرنے گئے ہوتے تو تاریخ کے صفحات میں کہیں تو کوئی نقطہ ملتا۔

ہاں تمام مفسّرین اور مورخین اس قول پر متفق ہیں کہ پہلی سورہ "اقرا" کے نزول کے وقت اور وحی کے ذریعہ خطابِ الٰہی "اپنے پروردگار کے نام سے پڑھ" کے جواب میں آپ نے فرمایا تھا "وما انا بقاری" (میں نے پڑھنا نہیں سیکھا کہ پڑھ سکوں)۔

مندرجہ بالا دلائل کی بنا پر جو تاریخ کے اوراق میں ثبت و محفوظ ہیں، اس میں شک و تردید کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ آنحضرت صلی علیہ و آلہ وسلم نے جس مکتب سے درس لیا تھا اس کا تعلق علم لدُنّی اور اللہ تعالیٰ کے لایزال سرچشمۂ علوم و معرفت سے تھا۔

اِن حقائق سے واضح ہوجاتا ہے کہ جس ہستی کا مکتب، آخری، مکاتیبِ الٰہی سے ہو، جس کی شریعت آخری شریعتوں اور آسمانی قوانین سے ہو اُسے ہرگز کسی اور جگہ جاکر علم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں اور یہی امر یعنی آپ کا کسی مدرسہ میں نہ جانا، کسی سے سبق نہ پڑھنا،

اور آپ کا اُمیّ ہونا، اسلام، قرآن اور نبیٔ آخرالزمان کے ختم نبوّت کی حقانیت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران۔حیدر آباد سندھ کو امید ہے کہ اس کتاب کے محترم قارئین یہ جان لیں گے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُمّی ہونے کے بارے میں کیسے کیسے شبہات پیدا کیے گئے ہیں اور اُن کے جوابات دے کر کہاں تک عہدہ برآ ہوا گیا ہے تاکہ وہ بھی دوسروں کی رہنمائی کر سکیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ

محمد کاظم مولوندی
مسئول
خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی
ایران۔حیدر آباد سندھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مغرب زدگی ایک ایسی بیماری ہے جس نے نہ صرف ہم اہل مشرق کے رہن سہن کے طریقوں اور معاشرتی و اقتصادی امور ہی میں رخنہ نہیں ڈالا بلکہ ہمارے مذہبی دانشوروں کے طرز تفکر پر بھی خاصہ اثر قائم کیا ہے۔

اور اس کی واضح مثال وہ تحریریں اور تقریریں ہیں جو ہمارے مذہبی بولنے اور لکھنے والوں کے زبان و قلم سے آئے دن ردیہ عمل آتے رہتے ہیں اور ان کی مغرب زدگی اور اجنبی افکار کی آئینہ داری کرتے ہیں۔

اسلام کے عالی مقام رہنما کی زندگی کے تجزیہ میں خود قرآن اور دور اوّل کے مسلمانوں کے اسناد سے رجوع کرنے اور انہیں ان گرانقدر کتابوں کے درمیان سے چن کر عام فہم زبان میں لوگوں تک پہنچانے کے بجائے ہم اس ٹوہ میں ہوتے ہیں کہ فلاں فرانسیسی پروفیسر نے جناب رسالتمآبؐ کے بارے میں کیا کہا یا فلاں عیسائی صاحب قلم کا جناب امیرالمومنینؑ کے بارے میں کیا فیصلہ ہے۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ ہم بیرونی مصنفین کی کتابوں کے مطالعہ کے خلاف نہیں ہیں کیونکہ علم و دانش کسی خاص سرحد کا پابند نہیں اور یہ کہنا مناسب نہیں کہ اسلامی علوم مجموعی طور پر کسی ایک گروہ کے اختیار میں ہیں۔

ہمیں اس سے بھی انکار نہیں کہ ان بیرونی مصنفین کی گواہی "الفضل ما شہدت بہ الاعداء" کی رو سے ہماری سرفرازی کا باعث ہے اور اس سے غیر قوموں اور فریب خوردہ افراد کی رہنمائی بہتر طریقے سے انجام پا سکتی ہے۔

ہماری اس گفتگو میں زور کسی اور بات پر ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم مسلمان، مکتب اسلام و قرآن کے نام سے ایک خاص درسگاہ کے پابند ہیں اور اسے سنّو فیصد

حق جانتے ہیں اور اس رو سے مذہبی مسائل کے تجزیہ میں ہمیں اپنی تعلیمات کو پیش نظر رکھ کر اسے تحفظ دینا چاہیے اور اپنے ہی بے عیب و ریب آثار و اسناد سے استفادہ کرنا چاہیے تاکہ مغربی طرز فکر ہم پر اپنا اثر قائم نہ کرے اور ہم اسلامی حقائق کو ان کے دریچۂ فکر سے جانچنے کی کوشش نہ کریں اور ان کی تائید کرتے ہوئے اسلام کے مسلمات کو شک، تردید یا انکار کے آستانہ پر لاکر نہ کھڑا کریں۔

پیغمبر اسلامؐ کی وحی و نبوت مغربی دانشوروں کی نگاہ میں

مغربی مصنفین اسلام، قرآن، اور آسمانی احکام و قوانین کے مطالعے کے بعد ان سب کو معاشرتی حالات سے ابھرنے والا ایک الزکھا واقعہ سمجھتے ہیں جسے مکمل اور قدرتی طور پر مادی اسباب کے ایک سلسلے نے جنم دیا۔ وہ کہتے ہیں سرزمین عرب پر چھائے ہوئے خاص عوامل نے اس تاریخی حادثہ کو رونما کیا۔ وہ شریعت محمدی کو ایک آسمانی آئین اور خود آپ کی شخصیت کو ایک ایسی برگزیدہ ہستی سمجھنے کے لئے ہرگز تیار نہیں جنھیں جبرئیل نے تعلیم دی ہو اور جنھوں نے اپنے تمام احکامات کو "درسگاہ وحی" سے حاصل کیا ہو۔

صرف مسلمان ہی وہ قوم ہیں جو آپ کو برگزیدہ الٰہی اور پروردہ "مکتب وحی" جانتے ہیں اور اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ آپ نے اپنے تمام احکامات کو ایک ایسے عالم سے اخذ کیا ہے جو مکمل طور پر ہماری نظروں سے مستور ہے۔

ایک مغربی مفکر دائرہ انصاف میں قدم رکھ کر بہت سے بہت ان ناروا تہمتوں کو رد کرے گا جسے چرچ نے آپ پر چسپاں کیا ہے اور کہے گا۔ پیغمبرؐ اسلام انسانی معاشرے کی ایک ایسی غیر معمولی ذہین ہستی ایک ایسے صاحب فہم، ایسے واقف کار مصلح اور ایسے با تدبیر اور با بصیرت مقنن تھے جنھوں

نے انسانی معاشرے کو اپنے ہوش و خرد سے ایسا مفید قانون دیا جو کسی دور میں فرسودہ نہ ہو سکا۔

کیا پیغمبرؐ اسلام کے بارے میں یہ جملے ہم مسلمانوں کے عقیدہ و افکار بن سکتے ہیں؟ یہ جملے تو ارسطو، افلاطون، بوعلی سینا، صدر المتالہین، ڈیکارٹ اور مونٹیسکیو جیسے نوابغ روزگار کے لئے مناسب ہیں نہ پیغمبرؐ اسلام جیسی ہستی کے لئے جو کسی اور ہی درسگاہ کے تعلیم یافتہ ہیں۔ اس قسم کے فریب آمیز بظاہر خوبصورت جملے آپ کا حقیقی تعارف نہیں ہے۔

وحی مغربی دانشوروں کی نظر میں ارتقاء فکری، ذہانت اور معاشرتی اور اخلاقی مسائل کے حل میں غیر معمولی قدرت و توانائی کے سوا کچھ بھی نہیں، اور ان کے منصف لکھنے والے تمام بڑے بڑے صاحبان فکر و نظر اور سر برآوردہ افراد کا نام لکھ کر پیغمبرؐ کو سرلوحۂ نوابغ قرار دیتے ہیں اور آپ کے افکار و نبوغ کے سراہتے ہوئے آپ کو ایک ایسا فلسفی پیش کرتے ہیں جو نہایت وسیع و عمیق نظریات کا حامل تھا۔

کیا وحی کی حقیقت ہم مسلمانوں کی نظر میں یہی ہے؟

کیا اسلامی شریعت کی شائستگی اس بات میں ہے کہ اس کا لانے والا دنیا کا سب سے بڑا صاحب فکر اور نابغۂ روزگار ہو؟

کیا جناب رسالتمآبؐ کی بزرگی اور برتری اس اعتبار سے ہے کہ آپ نے اپنے سرچشمۂ فکر سے اخلاقی اور اجتماعی مشکلات پر قابو پایا اور ایک ایسے آئین کے مصدر بنے جو نوع بشر کی بھلائی کی سو فیصد ضمانت دیتا ہے؟

ہم مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ پیغمبرؐ خواہ کتنی فہم و فراست کا حامل ہو لیکن اس کی شریعت ہرگز اس کے فکر کی تخلیق نہیں ہے اور معاشرے پر چھائی ہوئی اس کی غیر معمولی ذہانت اس کی شریعت اور اس کے آئین پر ذرہ برابر بھی اثر انداز نہیں ہوتی

قرآن نے اس کی شریعت کے حقیقت حال کو صرف ایک جملے میں بیان فرمایا ہے "اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى[1]" قرآن آپ کی عقل و خرد کا شاہکار نہیں ہے بلکہ یہ وہ مجموعہ حقائق ہے جسے آپ نے عالم وحی سے سیکھا ہے اور جو دوسرے عالم سے آپ کے قلب پر القا رکیا گیا ہے۔

ڈاکٹر سید عبد اللطیف کا شمار ہندوستان کی بڑی اسلامی شخصیتوں میں ہوتا ہے وہ آج کل "اسلامی علوم اکیڈمی حیدر آباد" کے ڈائریکٹر کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں انہوں نے عثمانیہ یونیورسٹی کے چوتھے اسلامی تحقیقات سے متعلق کانفرنس میں[2] "امی" کے مسئلہ پر روشنی ڈالی اور اس سلسلے میں جو رسالہ انگریزی زبان میں شائع ہو کر ڈیڑھ سو اسلامی اور غیر اسلامی دانشوروں کے درمیان تقسیم ہوا لوگوں کے استقبال کا باعث بنا اور لوگوں کی ایک تعداد نے اس کے مضامین کو بہت سراہا۔

رسالہ کا خلاصہ، تاریخی، قرآنی اور عقلی شواہد کے ایک سلسلے کے ساتھ یہ ہے کہ پیغمبر اسلام ہرگز "امی" (ناخواندہ) نہیں تھے اور یہ جواب تک مسلمانوں نے آپ کو اُمّی کی حیثیت سے پیش کیا ہے آپ پر ایک بڑا ظلم ڈھایا ہے۔

اس مسئلہ میں موصوف ڈاکٹر صاحب کے محرکات، اور دلائل و شواہد کے وہ تانے بانے جو زیادہ تر علمی حیثیت سے عاری ہیں مغرب زدگی اور مذہبی مسائل میں اجنبی افکار کی غلط پیروی کے آئینہ دار ہیں اور اس میں "نبوت" اور "وحی" کا مسئلہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے۔

۱۔ سورۃ النجم۔

۲۔ یہ کانفرنس دسمبر ۱۹۶۷ء میں منعقد ہوئی۔

فکر یہ ہے کہ نابغۂ فہم و فراست، سالار علم و دانش، سرآمد تشریع و تقنین، جو مادی معاشرتی اسباب کے ایک سلسلے کے تحت اس مقام تک پہنچا کس طرح ممکن ہے کہ لکھنے پڑھنے کی نعمت سے محروم ہو اور اس نے اپنی عمر کے کسی حصہ کو تحصیل علم میں صرف نہ کیا ہو۔

ظاہر ہے مذکورہ طرز فکر سے ۔ دکہ جناب رسالتمابؐ معاشرے کے سب سے ذہین اور غیر معمولی انسان تھے ہم ایسے ہی نتائج بر آمد ہوں گے اور جو بھی مسلمان اس دریچہ سے جناب رسالتمآبؐ کو دیکھے گا اس کو اسی طرح سے سوچنا پڑے گا اور جوڑ توڑ کر یہ ثابت کرنا ہوگا کہ آپ نے اکتسابی طور پر تحصیل علم کیا ہے ورگرنہ دوسری صورت میں گویا وہ آپ پر ظلم و ستم روا رکھے گا اور آپ کو آپ کے مقام و منزلت سے گرا دے گا۔

جیسا کہ ڈاکٹر صاحب موصوف فرماتے ہیں: ہرگز یہ بات معقول نہیں ہے کہ روحی اور معنوی افکار و تجلیات کا حامل ایک ایسا غیر معمولی ذہین انسان جو تشریع و تقنین پر ایسی قدرت رکھتا ہو ایک ان پڑھ اور بقول ان کے جاہل انسان ہو یہ غیر معمولی ذہانت، عروج فکر اور اصلاح و تشریع کی یہ کیفیت اس نعمت کے بغیر ناممکن ہے۔

لیکن ہم مسلمانوں کا پیغمبرؐ اسلام کے بارے میں یہ عقیدہ نہیں ہے ہم آپ کی نبوت کو ایک انوکھا واقعہ آپ کے قوانین کو آپ کی فطری اور غیر معمولی ذہانت و استعداد کا کارنامہ اور قرآن کو آپ کے بشری افکار کی تخلیق نہیں سمجھتے ہم آپ کو وحی کی پر اسرار طاقت کی حامل ایک ایسی درسگاہ کا شاگرد سمجھتے ہیں جس کا ادراک عقل بشر کی توانائی اور اختیار سے باہر ہے۔ آپ نے اپنے تمام احکامات کو اسی درسگاہ سے حاصل کیا ہے اور وحی کے نظر نہ آنے والے استادوں

نے آپ کو زندگی کے پہلے دن سے آخری لمحۂ حیات تک اپنی نگرانی میں رکھا اور آپ کو علم و دانش کے آخری مراحل تک پہنچایا۔ آپ کو اپنی فکری اور روحانی ترقی و تکامل کے لئے دنیاوی استادوں کی ضرورت نہیں تھی کہ آپ اپنی عمر کے ایک حصے کو لکھنے پڑھنے کی تعلیم میں صرف کرتے یہ کام تو معلمان وحی نے بحکم الٰہی اپنے ذمہ لی تھی تاکہ الٰہی قوانین و آیات اور معارف و علوم کو آپ تک پہنچائیں۔

مسلمانوں کے اس عقیدہ کو ذیل کی یہ آیت بڑی وضاحت سے بیان کرتی ہے

قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الیّ[1]

یعنی یہ کہدو (اے رسولؐ) بجز اس کے کچھ نہیں کہ میں تم جیسا بشر ہوں دگر اس فرق کے ساتھ کہ مجھ پر وحی آتی ہے (اور میں اس طاقتور غیبی درسگاہ کا پروردہ ہوں) آپ اس اعتبار سے بشر ہیں کہ مادی زندگی اور جسمانی خصوصیات میں ہمارے مشابہ ہیں اور اس میں یقیناً ذرہ برابر فرق نہیں لیکن اس اعتبار سے کہ آپ نے درسگاہ وحی میں تعلیم حاصل کی ہے آپ کے علوم و معارف، فکر و خیالات، تشریع و تقنین، طرز جہان بینی اور وسیع معلومات ہمارے ساتھ قابل قیاس نہیں اور ہرگز انکیں معاشرتی اور مادی پیمانوں سے نہیں ناپا جاسکتا۔

اس عنوان سے ضروری نہیں کہ آپ ہماری طرح تعلیمی ادوار کو پورا کریں اس لئے کہ آپ نے تمام بشری کمالات، انسانی فضائل اور معارف الٰہی کو اس مخصوص مدرسہ میں حاصل کیا ہے جو صرف خدا کے خاص بندوں (پیغمبروں) کی تعلیم گاہ ہے۔

پیغمبر اسلام کے ممتاز شاگرد جناب امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام ایک خطبے کے دوران اپنے عظیم الشان استاد (جناب رسالتمآبؐ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

---

[1] سورہ کہف آیت ۱۱۰

ولقد قرن اللّٰہ بہ من لدن کان فطیما اعظم ملک من ملائکتہ یسلک بہ طریق المکارم، ومحاسن اخلاق العالم لیلہ ونہارہ۔

یعنی خداوند عالم نے دودھ چھوٹنے کے بعد سے جناب رسالتمآبؐ کے لئے فرشتوں میں سے ایک عظیم الشان فرشتے کو آپ کی تعلیم وتربیت پر مامور کیا تاکہ وہ دن رات آپ کو مکارم اور محاسن اخلاق کی راہ پر آگے بڑھائے۔

ناقابل تلافی لغزش

ڈاکٹر صاحب نے جناب رسالتمآبؐ کی شان میں دلسوزی کا اظہار کرتے ہوئے ایک ایسی غلطی کا ارتکاب کیا جس نے اسلام دشمن عناصر کے لئے حملہ کی راہ ہموار کی یہ ایک ایسے پہلے مسلمان دانشمند ہیں جنھوں نے اسلامی مسائل میں مغرب زدگی کے زیر اثر پیغمبر اسلام کی حیات طیبہ سے متعلق حتمی تاریخ سے انحراف کرتے ہوئے واضح الفاظ میں اعلان کیا ہے کہ جناب ختمی مرتبتؐ نے اپنے پیروکاروں کے نظریہ کے خلاف عہدِ طفولیت میں حینہ استادوں سے باقاعدہ تعلیم حاصل کی ہے، اور یہ ہے ان کی عبارت :۔

کیا یہ بات قابل قبول ہے کہ جناب ابوطالب جو خود ایک تعلیم یافتہ اور صاحب فہم انسان تھے وہ بعد میں پیغمبر اسلام کے داماد بننے والے اپنے بیٹے علیؑ کو علم و دانش کی تعلیم دیں اور اپنے بڑے بھائی کے اس یتیم بچے کی تعلیم وتربیت سے غافل ہوں جو آپ کی کفالت میں سونپا گیا ہو اور اسے آزاد چھوڑ دیں کہ وہ ایک (نعوذ باللہ) جاہل اور علم سے فاقد نوجوان ابھرے۔

ہمارے اس محترم لکھنے والے نے اپنی اس تحریر سے ہر طرح کی افترا اور تہمت کے لئے راستہ صاف کیا ہے اس لئے کہ آپ کے دشمن

نزول وحی کے پہلے ہی دن سے بہانے کی تلاش میں ہیں اور یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن، اسلامی دستورات اور آپ کی تمام ہدایات خود آپ کے فکر کی تخلیق اور گذشتہ کتابوں کے مطالعات کا نتیجہ ہیں۔ آپ نے اپنی قوت فہم کے ساتھ گذرے ہوئے آثار کا مطالعہ کر کے انھیں سورے آیات، قصص سرگذشت اور تشریع وتقنین کی صورت دی اور ان تمام چیزوں کو خدا سے وابستہ کیا قرآن ان کی اس تہمت کا ذکر اس طرح کرتا ہے۔

وقالوا اساطیر الاولین اکتتبها فهی تملی علیه بکرة واصیلاً[1]

یعنی قرآن گذرے ہوئے لوگوں کی کہانی ہے جسے محمدؐ نے لکھا اور جو صبح وشام ان کو لکھوایا جاتا تھا۔

اور پھر اس تہمت کے جواب میں ارشاد فرماتا ہے۔

قل انزله الذی یعلم السر فی السموات والارض انه کان غفوراً رحیماً[2]

یعنی کہہ دو اے رسولؐ، زمین وآسمان کے رموز سے واقف خدا نے اس (قرآن) کو نازل کیا ہے اور وہ بڑا رحیم اور بخشنے والا ہے۔

آج اس افتراء نے اپنی شکل بدل کر ایک فکری شاہکار، معاشرتی ارتقا اور نابغۂ دوران کا روپ دھار لیا ہے۔ اس طرز فکر کے حامل افراد نے رسالوں، کتابوں اور کانفرنسوں کے انعقاد کے ذریعہ ان مسلمانوں کے عقائد پر کاری ضرب لگائی ہے جو آپ کو مبعوث من اللہ اور معلم الٰہی جانتے ہیں اور اس عقیدہ میں اپنے جان ومال کی قربانی دیتے ہیں۔

1۔ سورہ فرقان ۔ آیت ۵
2۔ سورہ فرقان ۔ آیت ۶

جناب رسالتمآبؐ ۱۲ سال کی عمر میں اپنے چچا اور قریش کے تجارتی قافلے کے ہمراہ عازم شام ہوتے ہیں۔ آدھا راستہ طے کر کے قافلہ ایک مقام پر توقف اختیار کرتا ہے اس منزل پر ایک دیر نشین راہب جناب رسالتمآبؐ کے چہرہ اقدس سے کچھ علامات اخذ کرتا ہے اور مطمئن ہوتا ہے کہ آپ وہی پیغمبر ہیں جس کا انجیل اور تورات میں وعدہ کیا گیا ہے۔ وہ آپ کے چچا کے پاس آ کر ان سے درخواست کرتا ہے کہ آپ کو شام نہ لے جایا جائے۔ موقع کے متلاشی مستشرقین اس واقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں: محمدؐ نے اس سفر میں اپنے دین اور مذہبی حقائق کو اسی راہب سے سیکھا اور عمر کے چالیسویں حصہ میں ان کی تبلیغ کی[۱]

قریش کا یہ قافلہ شاید چند گھنٹوں سے زیادہ وہاں نہیں رکا۔ کسی دور کا کوئی ذہین ترین انسان اس تھوڑے سے عرصے میں جناب رسالتمآب کے لائے ہوئے حقائق کا ہزارواں حصہ بھی نہیں سیکھ سکتا لیکن یہ لوگ کمال وقاحت کے ساتھ اپنی اس فکر پر اڑے بیٹھے ہیں۔

اب جب ہمارے ان محترم ڈاکٹر صاحب نے کچھ زیادہ قدم آگے بڑھا کر یہ کہا کہ آپ نے ایام طفلی میں تعلیم حاصل کی ہے۔ اسلام دشمن عناصر یقیناً اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے۔

مسئلہ پیش کرنے میں ناپختگی

ڈاکٹر صاحب نے مسئلہ پیش کرنے میں غلطی کی ہے اور دو باتوں کو ایک دوسرے میں ملا دیا ہے۔ آپ کے دلائل وشواہد ایک واحد مقصد کو لے کر آگے نہیں بڑھتے بلکہ نیچے کے دو مفاہیم کو ایک دوسرے سے الگ کر کے پھر یہ دیکھنے کی ضرورت

(۱) ۔ جرمن مصنف "فندر" کی کتاب "حقیقت شناسی" صفحہ ۲۲۷۔

ہے کہ ہماری بحث کس موضوع سے ہے ؟

۱۔ کیا پیغمبر اسلام نے کسی کے آگے زانوئے ادب طے کیا تھا اور آپ گویا ایک تعلیم یافتہ شخص تھے یا نہیں ؟

۲۔ کیا پیغمبرؐ اسلام لکھنا پڑھنا جانتے تھے ؟ اگر بالفرض جانتے تھے تو کیا آپ نے اپنی اس صلاحیت سے قبل بعثت کام لیا یا بعد بعثت ؟

یہ دو باتیں ہمارے محترم لکھنے والے کی گفتگو میں مکمل طور پر مخلوط ہو گئی ہیں اور ان کے دلائل کبھی پہلی بات اور بیشتر دوسری بات پر منطبق ہوتے ہیں ۔ حالانکہ یہ دو باتیں ایک دوسرے سے الگ اور قابل تفکیک ہیں، کیونکہ ممکن ہے کسی کا یہ عقیدہ ہو کہ پیغمبر اسلام نے کبھی بشری معلم کے آگے زانوئے ادب طے نہیں کیا اور ہرگز کسی سے ایک جملہ یا ایک نقطہ کی بھی تعلیم حاصل نہیں کی (جیسا کہ دنیا کے تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے اور جناب رسالتمآبؐ کی حیات طیبہ کی قطعی تاریخ اس کا مکمل ثبوت ہے) لیکن اس کے ساتھ ہی اس بات کا معتقد ہو کہ آپ الٰہی توجہات اور غیبی معلم کے زیر اثر الواح ، نقوش اور سطور کے لکھنے پڑھنے پر پوری قدرت رکھتے تھے اگرچہ آپ نے اپنی پوری عمر میں ان دو نعمتوں سے کبھی استفادہ نہیں کیا یا یہ کہ بعض مواقع پر بعد بعثت اس سے استفادہ کیا ہے ۔

جو کچھ کہ اس کتابچہ میں آج ہمارے پیش نظر ہے اس کا تعلق گفتگو کے پہلے حصہ سے ہے ورنہ دوسرا حصہ جو رسول مقبول کے لکھنے پڑھنے کی استطاعت سے متعلق ہے اتنا اہم نہیں ہے، پھر بھی ہم اس پر غور کر کے اپنا پورا خیال ظاہر کریں گے ۔

جناب رسالتمآبؐ کی ذات اقدس پر سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ ہم آپ کو اس قدر نیچے لائیں اور کہیں کہ آپ نے اپنی عمر کے ایک حصہ کو کسی مدرسہ یا مکتب میں

تعلیم حاصل کر کے گذارا اور اس مفہوم کو اس طرح پیش کریں کہ ایک ناخواندہ شخص (بقول ڈاکٹر صاحب جاہل) کس طرح بار رسالت و ہدایت کو اٹھا سکتا ہے وہ اپنی اس بات کو ثابت کرنے کے لئے گذشتہ ذکر شدہ مفہوم کے علاوہ یوں استدلال فرماتے ہیں: مکہ اور طائف ان دونوں حصول علم کا مرکز تھا اور یہاں باقاعدہ مدارس موجود تھے۔ کیا ایسی صورت اور ایسے ماحول میں یہ بات ممکن ہے کہ محمدؐ جیسے یتیم اور باوقعت بچہ کو جس کے دادا کی تمنا تھی کہ وہ تاریخ عرب میں کسی اہم کردار کا حامل ہو قریش کے ان تمام بچوں سے علیحدہ رکھا جائے جو حصول علم کے لئے اسکول جایا کرتے تھے۔

اس کے بعد یہ بھی فرماتے ہیں کہ ہمارے تاریخ لکھنے والوں نے جناب رسالتمآب کی بعثت سے قبل کی زندگی پر اچھی طرح توجہ نہیں دی اور اس سلسلے میں ۳۰ صفحوں سے زیادہ نہیں لکھا اگر وہ آپ کی بچپن کی زندگی کے بارے میں کچھ تحریر کرتے تو آج ہم اس اشتباہ سے دوچار نہ ہوتے۔ اس کے بعد سید عبداللطیف صاحب، ڈاکٹر محمد یوسف الدین کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جناب رسالتمآب کی ابتدائی زندگی سے متعلق بہت سی باتیں ابھی اسناد اور خطی کتابوں کی صورت میں باقی ہیں اگر ان کی طباعت عمل میں آئے تو ممکن ہے آپ کی طفولیت سے متعلق ہمارے بعض افکار میں تبدیلی رونما ہو۔

یہ جملے بتاتے ہیں کہ یہ ہندوستانی دانشور جناب رسالتمآبؐ کو دنیا کی درسگاہ کا ایک تعلیم یافتہ فرد ظاہر کرنا چاہتے ہیں اور آپ کے کمالات اور لکھنے پڑھنے سے متعلق نعمت کو اسی کا مرہون منت جانتے ہیں۔

اور یہ باتیں محترم مترجم جناب "تفضلی" صاحب کو ایسی بھائیں کہ انہوں نے اپنے پیش لفظ میں ازراہ امتنان لکھا۔

میں نے جناب ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب کی تحقیقات سے پورا استفادہ کیا اور مجھے پورا الیقین حاصل ہوگیا کہ جناب ختمی مرتبتؐ ایک تعلیم یافتہ اور دانشمند انسان تھے اور اس اعتبار سے میں جناب ڈاکٹر صاحب کا بڑا قدر دان اور شکر گذار ہوں اور امید کرتا ہوں کہ میرے عزیز ہم وطن اور تمام پڑھنے والے بھی اس نتیجہ پر پہنچیں اور ان کے دل ودماغ سے شبہات کا ازالہ ہو۔

ہم نے جناب ڈاکٹر صاحب کے تمام دلائل و اسناد کو پوری طرح پرکھ کر اور موبمو ان کا جواب تیار کر کے اپنی گفتگو کی تائید میں مفید مطالب کے ایک سلسلے کے ساتھ انہیں پیش کیا ہے۔ ہم نے تمام انتقادات کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے:۔

۱۔ پہلا حصہ۔ ڈاکٹر صاحب کا وہ حساس ترین نقطہ جس میں آپ نے جناب رسالتمآبؐ کو دنیا دی درسگاہ کا ایک پڑھا لکھا فرد ثابت کیا ہے۔

۲۔ دوسرا حصہ، اس موضوع کے متعلق کہ کیا جناب ختمی مرتبت بعد بعثت الہام اور غیبی تعلیم کے ذریعے لکھنا پڑھنا جانتے تھے یا نہیں؟ اور اگر جانتے تھے تو کیا اس سے آپ نے کوئی فائدہ اٹھایا یا نہیں۔؟

رسول اُمّی سے مراد کیا ہے۔؟

۱۔ اس بارے میں قرآن مجید کا فیصلہ

۲۔ وہ دلائل وشواہد جو اس موضوع کو قطعی قرار دیتے ہیں۔

۳۔ قرآن مجید جناب رسالتمآبؐ کو جاہل نہیں بلکہ "اُمّی" یعنی ناخواندہ کا لقب دیتا ہے۔

پہلی دلیل

جناب رسالتمآبؐ کے بارے میں قرآن کا فیصلہ

قرآن جو ہم مسلمانوں کی نظر میں ایک آسمانی کتاب اور عیسائیوں کی نظر میں آسمانی نہ سہی تو کم از کم ایک حتمی تاریخی سند ضرور ہے رسولؐ اسلام کا تعارف ان الفاظ میں کراتا ہے۔

ماكنت تتلو من قبله من كتاب ولا تخطه بيمينك اذا لارتاب المبطلون[۱]

یعنی نزول قرآن سے پہلے تم نے نہ کوئی کتاب پڑھی اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھا ورنہ بدخواہ کافر تمہارے آئین میں شک کرتے۔

اگر جناب رسالتمآبؐ بچپن میں کتابوں کے پیچھے پڑتے اور نوعمر بچوں کی طرح لکھنے پڑھنے کی مشق کرتے تو کیا وہ نزول قرآن کے بعد مکہ میں اس گروہ کے درمیان اپنی آواز بلند کر سکتے تھے جو آپ کی تمام خصوصیات زندگی سے واقف تھے اور یہ کہہ سکتے تھے کہ اے لوگو تم سب اس بات سے واقف ہو کہ میں نے قبل بعثت نہ کسی کتاب کا مطالعہ کیا اور نہ کوئی سطر لکھی، پھر تم یہ کس طرح کہتے ہو کہ میں نے قرآن

۱۔ سورہ عنکبوت۔ آیت ۴۸

کی آیات اور اس کے مضامین کو دوسری کتابوں سے لیا ہے۔ عربی زبان میں اگر کوئی کہے "مابجا ئنی من احد" (یعنی لفظ "من" جو زائد ہے استعمال میں لائے) تو اس سے اس کی مراد نفی میں تاکید ہے یعنی قطعی طور پر کوئی نہیں آیا۔
مذکورہ جملہ اور "مابجا ئنی من احد" کے جملہ میں فرق یہ ہے کہ دوسرے میں احتمال کی گنجائش ہے یعنی دو، ایک آدمی آئے مگر متکلم نے لاپرواہی سے ان پر کوئی توجہ نہ دی۔ عرب اس رفع احتمال کے لئے لفظ "احد" کے ساتھ "من" کا اضافہ کر دیتے ہیں تاکہ نفی میں حقیقت اور واقعیت آجائے۔
اتفاقاً اوپر کی آیت کا یہی انداز ہے اور اس میں رفع احتمال فوق کے لئے لفظ "من" کو تاکید نفی کے طور پر لایا گیا ہے تاکہ نفی میں استغراق واقعی پیدا ہو یعنی کسی قسم کی کتاب نہیں پڑھی۔
عربی زبان کے قواعد میں یہ بات ہے کہ سیاق نفی (مابجا ئنی ماکنت تتلوم) میں نکرہ (احد، کتاب) مفید استغراق ہے خاص طور پر جبکہ اس میں "من" زائدہ آیا ہو۔
ڈاکٹر سید عبدالطیف صاحب کی جب مذکورہ استدلال پر توجہ گئی تو انہوں نے آیت کے استدلال کے جواب میں ارشاد فرمایا۔
قرآن میں "کتاب" ہر قسم کی کتاب اور تحریر کا نام نہیں ہے بلکہ اس سے مراد توراۃ اور انجیل کی مقدس اور مذہبی کتابیں ہیں جو عربی زبان میں نامانوس ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ یہودی کہتے تھے کہ آپ اپنی باتوں کو ان کی مقدس کتابوں سے نقل کرتے تھے چنانچہ مذکورہ آیت نازل ہوئی کہ پیغمبر اکرمؐ

۱۔ سورہ عنکبوت۔ آیت ۴۸۔

قرآن سے قبل نازل ہونیوالی مقدس کتابوں کی زبان سے ناواقف تھے نہ یہ کہ آپ عربی میں لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے جو آپ کی مادری زبان تھی اور قرآن بھی اسی زبان میں نازل ہوا تھا۔

آیت پر ڈاکٹر صاحب کا تصرف و تاویل مہمل ہے۔

الف: آیت میں لفظ "کتاب" بصورت نکرہ اور بغیر "الف لام" کے آیا ہے اور نکرہ " ماکنت تتلوا " کے منفی جملہ کے بعد اس دستور کے مطابق جسے ہم نقل کر چکے ہیں عربی، عبری، فارسی، سریانی ہر قسم کی کتاب کی نفی کے باب میں آئے گا۔ اس میں جیسا کہ ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے صرف خاص قسم کی مقدس کتابوں کی نفی مراد نہیں ہوگی اور یہ قاعدہ ناقابل استثنا ء ہے۔ قرآن مجید میں مذکورہ جملے کی طرح بہت سے جملے آئے ہیں جیسے " ومن یھن اللّٰہ فما لہ من مکرم[1] جسے خدا ذلیل و خوار کرتا ہے اسے کوئی بزرگی نہیں دے سکتا۔

آیت میں کتاب سے مراد مطلق کتاب ہے خواہ وہ عبری زبان میں ہو یا عربی میں۔ اس کے قبل کی آیت میں انجیل اور تورات کے متعلق جب گفتگو ہوتی ہے تو لفظ کتاب " الف اور لام " کے ساتھ استعمال ہوتا ہے جو اس کی خصوصیت اور معروفیت کی طرف اشارہ ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔

۱۔ سورہ حج۔ آیت ۱۸۔

وکذلک انزلنا الیک الکتاب، فالذین اٰتینا ھم الکتاب یومنون بہ ومن ھٰؤلاء من یومن بہ وما یجحد بآیاتنا الا الکٰفرون
یعنی اسی طرح ہم نے تمہاری طرف کتاب کو نازل کیا اور جن کو ہم نے کتاب (انجیل و تورات) دی ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور ہمارے آیات کا انکار نہیں کرتے مگر کافر۔

لیکن زیر بحث آیت میں لفظ کتاب "الف لام" کے بغیر بطور نکرہ استعمال ہوا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔

"وما کنت تتلو من قبلہ من کتاب"[۱] اور اگر آیت میں عہدین کی کتابیں مقصود ہوتیں تو پچھلی آیت کی طرح لفظ کتاب "الف لام" کے ساتھ بطور معرفہ استعمال ہوتا اور آیت یوں ہوتی۔ ماکنت تتلو من قبلہ الکتاب

ب :- یہ جو دعویٰ ہے کہ قرآن میں لفظ "کتاب" ہر قسم کی کتاب اور تحریر کا نام نہیں ہے بلکہ اس سے مراد صرف تورات و انجیل کی مقدس اور مذہبی کتابیں ہیں صحیح طور پر واضح نہیں۔ میں ابھی ان آیات کو پیش کرتا ہوں جہاں عہدین کی کتابیں مراد نہیں ہیں بلکہ لفظ کتاب کو مقدس کتابوں کے علاوہ مختلف مصادیق میں بھی استعمال کیا گیا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ کتاب، قرآن کے مفہوم میں۔ ذلک الکتاب لاریب فیہ
۲۔ کتاب، بمعنی فرض جس کو خدا نے ہم پر لکھ دیا ہے اور ہمارے لئے واجب قرار دیا ہے،" والمحصنات من النساء الا ما ملکت ایمانکم

۱۔ سورہ عنکبوت۔ آیت ۴۸

کتاب اللہ علیکم" (نساء آیت ۲۴)

یعنی شوہردار عورتیں تمہارے لئے حرام ہیں مگر وہ مشرک عورتیں جو تمہاری قید میں آجائیں اور یہ بات اللہ کی طرف سے تمہارے لئے لکھدی گئی ہے اس کے علاوہ سورہ بقرہ کی دوسو پینتیسویں آیت بھی اسی مفہوم کی حامل ہے

۳۔ کتاب، بمفہوم صفحہ ہستی اور کتاب تکوین "وما من دابۃ فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیہ الا امم امثالکم ما فرطنا فی الکتاب من شیء ثم الی ربہم یحشرون" (سورہ انعام۔ آیت ۳۸)

یعنی زمین پر رینگنے والے کیڑے اور فضاؤں میں اپنے دونوں بازوؤں سے اڑنے والے پرندے تمہاری طرح کی امتیں ہیں اور ہم نے عالم تخلیق میں کسی شئے کو نہیں چھوڑا، اور سب کی بازگشت پھر اپنے پروردگار کی طرف ہوگی۔

۴۔ کتاب، یعنی لوح محفوظ "قال علمہا عند ربی فی کتاب لا یضل ولا ینسی (طہٰ۔ ۵۲)

یعنی گذشتہ حوادث کا علم میرے پروردگار کے پاس محفوظ ہے نہ وہ اسے کھوتا ہے اور نہ فراموش کرتا ہے۔ اور اسی طرح سبا، فاطر اور نحل کے سورتوں کی تیسری، گیارہویں اور ستاونویں آیتیں۔

۵۔ کتاب بمعنی نامۂ اعمال "ما لھذا الکتاب لا یغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ الا احصیھا (سورہ کہف۔ آیت ۴۹۔

یعنی یہ کیسی کتاب ہے؟ اس میں تو چھوٹا بڑا، کوئی عمل نہیں چھوڑا ہے اور ہر چیز کو احاطۂ تحریر میں لایا گیا ہے، سورہ مومنون، سورہ سبا اور سورہ زمر کی باسٹھویں، تیسویں اور انتالیسویں آیتیں بھی اس مفہوم کی حامل ہیں۔

۶۔ کتاب، یعنی ذاتی خط "۔ الق الی کتاب کریم۔

یعنی ایک خط مجھے موصول ہوا ہے۔

مختلف مصادیق میں استعمال ہونیوالی ان آیتوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کتاب سے مراد صرف عہدین کی کتابیں نہیں ہیں۔ ان تمام آیتوں کے باوجود جناب ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ لفظ کتاب قرآن میں صرف انجیل تورات اور اسی طرح کی مقدس اور مذہبی کتابوں کے مفہوم آیا ہے۔

ج :۔ اگر آیت کا یہ مفہوم ہو کہ جناب ختمی مرتبت نے قبل بعثت انجیل اور تورات کی مقدس کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا ہے تو خدا کا مقصد پورا نہیں ہوتا کیونکہ اس صورت میں یہ احتمال باقی رہتا ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے جن کا مدتوں لکھنے پڑھنے سے سروکار رہا۔ بعض نصاریٰ اور یہود کی مدد سے قرآن کے مطالب کو ان کی کتابوں سے استخراج کر کے عربی قالب میں ڈھالا اور انہیں ازبر کر لیا جیسا کہ سورہ فرقان میں مشرکوں کی زبانی اس احتمال کو پیش کیا گیا ہے

وقال الذین کفروا ان ھذا الا افک افتریہ واعانہ علیہ قوم اخرون فقد جاؤ ظلما و زورا۔ (فرقان۔۴)

کافر یہ کہتے ہیں کہ قرآن کو خدا پر جھوٹ باندھا گیا ہے اور کسی اور گروہ نے اس سلسلے میں پیغمبرؐ کی مدد کی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ اس بارے میں ظلم و زیادتی کرنے والے ہیں۔

قرآن مجید اس احتمال کو دور کرنے کے لئے ارشاد فرماتا ہے۔

تمہیں (اے پیغمبر) لکھنے پڑھنے سے کبھی سروکار نہیں تھا۔ تم نے کبھی کوئی کتاب نہیں پڑھی اور نہ ہی کبھی قلم کاغذ پر رکھا، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو نکتہ چینی کرنے والے تمہارے آئین پر شک کرتے۔

خلاصہ : یہ کہ اگر آپ اس آیت کو کسی بھی عرب یا عربی زبان سے واقفیت

رکھنے والے شخص کے سامنے پیش کریں گے تو وہ یہی کہے گا کہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جناب رسالتمآبؐ کو لکھنے پڑھنے سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

علاوہ بریں اگر کتاب سے مراد یہی مقدس کتابیں ہوں تو اس صورت میں "ولا تخطہ" کا جملہ اضافی ہوگا کیونکہ جب پیغمبرؐ مذکورہ کتابیں نہ پڑھ سکتے ہوں تو ظاہر ہے وہ انھیں لکھ بھی نہیں سکتے تھے۔ ایسی صورت میں "و... لاتخطہ" کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ (غور فرمائیے "تخطہ" کی ضمیر، کتاب کی طرف جاتی ہے)، لیکن جیسا کہ ہم اس کا مفہوم بتا چکے ہیں اس جملہ کا استعمال بڑا سودمند ہے کیونکہ اس سے عبارت بڑی صاف اور واضح ہو جاتی ہے بالکل اسی طرح جیسے ہم کہتے ہیں: فلاں شخص کو لکھنے پڑھنے سے قطعی کوئی سروکار نہیں ہے اور وہ بالکل لکھنا پڑھنا نہیں جانتا۔

دوسری دلیل۔ شواہد و براہین

گذشتہ دلائل کے علاوہ جناب رسالتمآبؐ کے بارے میں ایک مختصر علمی تجزیہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپ نے ہرگز حصول علم کیلئے جدوجہد نہیں کی۔

۱۔ تمام تاریخی اور حدیثی اسناد میں خواہ وہ صحیح ہوں یا غیر صحیح آج اس وقت تک جب میں یہ صفحات لکھ رہا ہوں کبھی کسی نے یہ نہیں لکھا کہ جناب رسالتمآبؐ نے بچپن میں دوسرے لڑکوں کی طرح تعلیم حاصل کی ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو دوست اور دشمن دونوں ہی اس بات کو نقل کرتے۔

۲۔ وہ مسلمان جنہوں نے جناب ختمی مرتبتؐ کے ناخن اور موئے مبارک کو آج تک محفوظ کر رکھا ہے اور کبھی موئے مبارک کی گمشدگی پر پاکستان میں

وہ ہنگامہ کھڑا ہوتا ہے کہ دشمن جناب رسالتمآب اور آپ کی یادگار سے متعلق مسلمانوں کے عقیدہ و احترام کو تعجب کی نگاہ سے دیکھتا ہے ، پھر کیسے ممکن ہے کہ آپ کی تحریروں اور نوشتوں کو کھو دیں اور انہیں موی مبارک جتنی اہمیت بھی نہ دیں۔ اگر جناب رسالتمآب نے کچھ لکھا ہے تو وہ تحریریں کہاں ہیں ؟

۳۔ خداوند عالم نے دشمنوں اور بدخواہوں کی راہ روکنے اور سادہ دل لوگوں کو ان کی گمراہی سے بچانے کے لئے اور اس گفتگو کو ختم کرنے کے لئے کہ آپ نے اپنی اعلیٰ تعلیمات و صلاحیتوں کی بنیاد پر قرآن کو از خود بنایا اور اسے دیگر آسمانی کتابوں سے نقل کیا، آپ کے محل رشد و نمو کو ایک ایسی جگہ قرار دیا جہاں آپ عمر بھر تعلیم حاصل نہ کر سکیں اور جہاں مدرسے، اسکول اور لکھنے پڑھنے کا سوال ہی پیدا نہ ہو۔

۴۔ اگر جناب رسالتمآبؐ ایک ماہ بھی کسی کے آگے زانوی ادب طے کرتے تو اس معلّم کا تمام خاندان بلکہ اس کا قبیلہ بھی بعد میں آپ کی عظمت کے دوران اس خدمت کو دستاویز قرار دیکر آپ سے اس کے بدلے کا خواہاں ہوتا۔

جناب ختمی مرتبت نے قبیلہ بنی سعد میں پرورش پائی تھی "حلیمہ" نامی اس قبیلے کی عورت نے تقریباً ۲ سال تک آپ کو دودھ پلایا تھا اور چند سال آپ کی خدمت کی تھی پچاس سال بعد اسلامی غزوات میں جب قبیلہ "بنی سعد" کی ایک شاخ قبیلہ ہوازن کے زن و مرد گرفتار ہوئے تو سب جناب ختمی مرتبت سے معافی اور رد غنائم کے خواستگار ہوئے ، اور اسی قبیلے سے تعلق رکھنے والے بی بی حلیمہ کے دودھ پلائی کے مسئلہ کو دستاویز بنا کر انہوں نے عرض کی کہ اپنی رضاعی ماں کی خدمات کے صلے میں ہمارے مردوں کا قصور معاف اور ہماری عورتوں کو آزاد کر دیں اور ان غنائم کو ہمیں واپس لوٹا دیں جو آپ کی فوج نے میدان جنگ میں حاصل کیا ہے[1]۔

آخر میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ تعلیم و تحصیل ان لوگوں کے لئے باعث افتخار ہے جو

---

[1] تاریخ کامل ۔ جلد ۲ ۔ ص ۱۸۲

اس راہ کے علاوہ درک حقائق سے عاجز ہوں، لیکن وہ جو آسمانی مربیوں کے زیر پرورش اس مقام تک پہنچا ہو اس کے لئے کوئی حجاب باقی نہ ہو اور جو دیدۂ دل سے حقائق کو درک کرتا ہو اس کے لئے ظاہری تعلیم باعث افتخار نہیں۔ وہ رسولان گرامی جن کے معلمین فرشتے ہوں اور جنہوں نے غیبی اور حسی الواح کو تعلیم خداوندی پڑھا ہو اور ان سے واقف ہوں ان کے لئے زیب نہیں دیتا کہ وہ ناقص معلمین کے حضور زانوئے ادب طے کریں۔

ان دلائل کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کی نظر:

جب ڈاکٹر صاحب اس بات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ جناب رسالتمآب کی تاریخ حیات میں کہیں یہ جملہ نہیں ملتا کہ: جناب ختمی مرتبتؐ نے کسی کے حضور زانوئے ادب طے کیا ہے تو یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ: آپ کی بچپن اور جوانی سے متعلق زندگی پوری طرح ضبط تحریر میں نہیں آئی ہے۔

جواب:۔ جب ہم جناب رسالتمآب کی بچپن اور جوانی سے متعلق زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ بات نظر آتی ہے کہ لکھنے والوں نے آپ کی زندگی کے ایسے واقعات کا تذکرہ کیا ہے جس کی اہمیت اس موضوع کے سویں حصہ کو بھی نہیں پہنچ سکتی اور اگر یہ بات حقیقت رکھتی تو ہر اعتبار سے قابل ذکر تھی، اگر آپ تاریخ اور سیرت کی کتابوں کا مطالعہ کریں تو آپ دیکھیں گے کہ جناب ختمی مرتبت کی بعثت سے قبل کی زندگی کے عنوان سے ان کتابوں نے ذیل کے مباحث پر گفتگو کی ہے:

- جب آپؐ عرصہ حیات میں تشریف لاتے ہیں تو کفر کی دنیا میں آثار ضعف رونما ہوتے ہیں۔
- تین دن مادر گرامی کا دودھ پیتے ہیں۔
- چار مہینے ابولہب کی کنیز آپ کو دودھ پلاتی ہے۔

ا۔ وعلم آدم الاسماء کلها ثم عرضهم علی الملائکة (سورۃ البقرہ۔ آیت ۳۱-۳۲)

- دائیوں میں جناب حلیمہ کو دودھ پلانے کا شرف ملا۔
- جناب حلیمہ سعدیہ آپؐ کو ایک صحرا میں لے جاتی ہے۔
- نومولود کی برکت سے جناب حلیمہ کی زندگی سدھر جاتی ہے۔
- جناب حلیمہ روزانہ آپؐ کو صحرا میں اپنے بچوں کے ساتھ گھومنے بھیجتی ہیں۔
- حفاظت کی غرض سے مہرۂ یمانی پہنانے وقت دایہ سے جناب ختمی مرتبت کی گفتگو۔
- چھ سال عمر میں آپؐ جناب عبدالمطلب کی کفالت میں آتے ہیں۔
- اپنی والدہ گرامی کے ساتھ مدینہ میں اپنے رشتہ داروں سے ملنے جاتے ہیں۔
- لوٹتے وقت آپؐ کی والدہ گرامی "ابواء" نامی ایک مقام پر رحلت اختیار کرتی ہیں
- جناب عبدالمطلب جناب ختمی مرتبت کو اپنے پاس بٹھاتے ہیں۔
- دس برس کی عمر میں آپؐ جنگ فجار میں شرکت فرماتے ہیں۔
- اس جنگ میں آپ کی ذمہ داری؟
- ۱۲ سال کی عمر میں آپ شام پہنچے ہیں۔
- آدھے راستہ میں راہب کا واقعہ پیش آتا ہے۔
- جناب ابوطالب آپؐ کو بارش کی دعا کے لئے صحرا میں لے جاتے ہیں۔
- جناب رسالتمآبؐ دوسرے انبیاء کی طرح بکریوں کی خدمت کرتے ہیں۔
- جناب ابوطالب کے حکم سے جناب خدیجہ کی تجارت سنبھالتے ہیں۔
- "میسرہ" آپ کے خصوصیات سفر کو نقل کرتا ہے۔
- آپ ۲۵ سال کی عمر میں جناب خدیجہ سے عقد فرماتے ہیں وغیرہ ۔۔۔

کیا یہ ہو سکتا ہے کہ جناب رسالتمآب نے کسی مدرسہ یا مکتب میں تعلیم حاصل کی ہو اور دوسروں کی طرح لکھنے پڑھنے سے شغف رکھا ہو اور تاریخ نویسوں نے

نظر انداز کر دیا ہو۔ حالانکہ دعوت اسلام میں یہ امر بڑی حساسیت کو حامل ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ لکھنے والوں نے جنگ فجار میں جناب رسالتمآب کے تیر چلانے اور اپنی رضائی والدہ سے گفتگو تک کو نقل کیا ہو مگر اتنے اہم موضوع سے اجتناب برتا ہو یا اسے نظر انداز کر دیا ہو۔

ہم جناب ڈاکٹر سید عبداللطیف اور آپ کے ساتھی ڈاکٹر محمد یوسف الدین صاحب کو یہ یقین دلاتے ہیں کہ وہ جناب رسالتمآبؐ کی زندگی سے متعلق تمام خطی اور طباعت شدہ اسناد میں چھان بین کے باوجود یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ آپ نے کسی کے آگے زانوئے ادب طے کیا ہو اور کسی سے تعلیم حاصل کی ہو۔ آپ کی زندگی میں کسی ابہام کی گنجائش نہیں۔ آپ کوئی غیر معروف شخصیت نہیں ہیں۔ آپؐ کی زندگی کے تمام گوشے بڑے واضح اور روشن ہیں۔ اگر آپ کے ملاحظہ میں یہ بات ہے کہ آپؐ کے بچپن اور جوانی سے متعلق تاریخ کے صفحات بعثت کے بعد کی زندگی سے تعداد میں کم ہیں تو یہ اس لئے ہے کہ آپ کی زندگی قبل بعثت یکساں نوعیت کی تھی۔ آپ کا بسر اوقات کبھی بیابانوں میں کبھی تجارت میں اور کبھی غار ثور میں ہوتا۔ آپ کوئی انقلابی شخصیت نہیں تھے۔ تقریر و خطابت سے بھی آپ کا کوئی سروکار نہیں تھا۔ آپ لوگوں کے ساتھ زیادہ میل جول نہیں رکھتے تھے اور ان کی گناہ آلود زندگی سے دور رہتے تھے۔ لیکن بعد بعثت آپؐ کی زندگی کا طریقہ بدل گیا۔ روزانہ کوئی نہ کوئی واقعہ رونما ہونے لگا۔ مختلف گروہوں کے ساتھ آپ کی نشست و برخاست ہونے لگی تھی۔ اس بنا پر یہ سوال درست نہیں کہ آپ کی بعثت سے قبل کی تاریخ حیات بعد بعثت سے مختصر کیوں ہے؟

برھان و دلیل کے بجائے جذبات و احساسات :۔

ڈاکٹر عبداللطیف صاحب نے اپنے اس دعوے کی دلیل میں کہ جناب رسالتمآبؐ

نے مدتوں مدرسے میں تعلیم پائی برھان اور دلیل کے بجائے جذبات اور احساسات سے کام لیا اور کہا: "کیا یہ بات قابل فہم ہے کہ ختمی مرتبتؐ کے دادا جناب عبدالمطلب آپ کو ان تمام قریشی اطفال سے جدا رکھیں جو حصول علم کے لئے مدرسے جایا کرتے تھے۔ درآنحالیکہ وہ خود آپ کو ایک ایسا فرد دیکھنا چاہتے تھے جو تاریخ عرب میں کسی بڑے کردار حامل ہو"

اور پھر کہتے ہیں: "کیا یہ تصور ممکن ہے کہ جناب ابوطالبؑ جو اپنے فرزند کو علم و دانش کی تعلیم دیتے تھے اپنے بڑے بھائی کی تعلیم سے غافل رہے۔ ایک محقق اور حقیقت پسند انسان کے یہ دو استدلال واقعی قابل تعجب ہیں۔

سب سے پہلے تو یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے جناب ختمی مرتبت کی ولادت کے ۳۰ سال بعد اس عالم شہود میں آنکھیں کھولیں اور یہ بات ہرگز واضح نہیں کہ ان دونوں ادوار میں زندگی کے طور طریقے یکساں رہے حتیٰ کہ یہ بھی واضح نہیں کہ جناب امیرالمومنین علی علیہ السلام نے لکھنے پڑھنے کو حضرت ابوطالب سے سیکھا ہے بلکہ جناب ابوطالب علیہ السلام کی تعلیم بھی بجز قیاس کسی سند کی حامل نہیں۔ آپ کے فصیح و بلیغ خوبصورت اور دلنشیں اشعار آپ کی تعلیم کی دلیل نہیں ہیں کیونکہ اس زمانے کے جاہل عربوں کو اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنیاد پر تخلیقی ملکہ حاصل تھا۔ اور ان کا اَن پڑھ طبقہ بھی خوبصورت سے خوبصورت اشعار کہا کرتا تھا اور یہ خود عرب کی تاریخ جاہلیت میں ایک حساس اور قابل غور باب ہے۔ ان کے اشعار ان کے فطری ذوق اور قدرتی کمالات کا نتیجہ ہے اور اس کا ان کی تعلیم سے کوئی تعلق نہیں۔

پھر ڈاکٹر صاحب کی دوسری بات آتی ہے کہ جناب عبدالمطلب کیونکر اس بات پر راضی ہوتے ہیں کہ جناب رسالتمآبؐ، اسکول جانے والے اپنے تمام ہم سن ساتھیوں

سے پیچھے رہ جائیں۔

یہ استدلال ایک لغو اور واہی تصوّر کی پیداوار ہے انہوں نے یہ سوچ رکھا ہے کہ مکّہ ان دنوں تمدّن کا مرکز تھا اور اس میں مدرسے، اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں موجود تھیں۔ اور ماں باپ اپنے بچوں کے داخلے کیلئے سر پٹکتے پھرتے تھے اور بچے صبح سویرے تیار ہو کر اسکول جایا کرتے تھے۔

ہم اپنی کتاب کے دوسرے حصّہ میں اس بات کو ثابت کریں گے کہ مکہ میں ہرگز ایسی کوئی درسگاہ یا منظم مدرسہ موجود نہیں تھا جس کے ڈاکٹر صاحب دعویدار ہیں۔ ایک ایسی فضا اور ایسے ماحول میں جہاں طلوعِ آفتابِ نبوت کے وقت پوری مکّہ کی آبادی میں سترہ یا اس سے بھی کم افراد زینتِ علم سے آراستہ ہوں یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہاں منظم مدارس اور درسگاہوں کا انتظام تھا۔[۱]

آپ اس موضوع کو تفصیل کے ساتھ کتاب کے دوسرے حصّے میں "اہلِ مکہ میں علم و دانش کی صورت" کے عنوان سے ملاحظہ فرمائیں گے۔ یہاں ہم صرف اسی حد تک اکتفا کرتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب مکّہ کو علم و دانش کے شہر کی حیثیت دیتے ہیں جب کہ مکتبِ اسلام کے ممتاز شاگرد جناب امیرالمومنین علیہ السلام وہاں کی جاہلیت کو اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کر کے اس دور کے تمدّن کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"اَن اللّٰہ بعث محمدًا نذیرا للعٰلمین و امینا علی التنزیل، وانتم معشر العرب علی شر دین وفی شر دار منیخون بین حجارۃ خشن و حیات صم، تشربون الکدر، و تاکلون الجشب و تسفکون دمائکم و تقطعون ارحامکم، الاصنام فیکم منصوبۃ والاٰثام بکم معصوبۃ"[۲]

یعنی خداوند عالم نے جناب رسالت مآبؐ کو عالمین کے لئے ڈرانے والا

---

[۱] فتوح البلدان۔ ص۔ ۴۶۱ [۲] نہج البلاغہ۔ خطبہ ۲۶

بنا کر بھیجا۔ آپ کو اپنا امین وحی مقرر کیا اور ایسے عالم میں بھیجا جب تم عرب کے لوگ بدترین قانون کے ساتھ بدترین منزل پر زندگی گذار رہے تھے۔ تمہاری زندگی سنگلاخ زمین میں ان سانپوں کے درمیان تھی جو تمہاری چیخ و پکار سے نہیں ڈرتے تھے۔ تم لوگ گندہ پانی اور ردی خوراک استعمال کرتے تھے۔ ایک دوسرے کا خون بہاتے تھے، قطع ارحام کرتے تھے۔ تمہارے درمیان عبادت کے لئے بت نصب تھے۔ اور تم گناہ سے دوری اختیار نہیں کرتے تھے۔"

کیا سنگلاخوں میں زہریلے سانپوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے والی اس قوم کو ایک ایسی ثقافت کا حامل کہا جا سکتا ہے۔ جس کے ڈاکٹر صاحب دعویدار ہیں۔ اس کے بعد شیعی دنیا کے عظیم پیشوا اپنے ایک اور خطبے میں بعثت سے قبل کی حالت کو ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

"ان اللہ سبحانہ بعث محمداً ولیس احد من العرب یقرأ کتاباً ولا یدعی نبوۃ، فساق الناس حتی بوأھم محلتھم"[1]

یعنی خداوند عالم نے جناب رسالتمآبؐ کو اس وقت رسالت پر مبعوث کیا۔ جب عرب میں کوئی کتاب پڑھنے والا نہیں تھا اور نہ کسی نے دعویٰ کیا تھا۔ آپ نے لوگوں کو ہدایت فرمائی۔ اور انہیں اپنے مقام سے آشنا کرایا۔

وہ قوم جو مدرسوں، اسکولوں، مکتبوں اور درسگاہوں کے درمیان ہو کیا ممکن ہے کہ اس میں کوئی کتاب پڑھنے والا نہ ہو۔ مکہ اور عربستان سے متعلق وہ لمبی چوڑی ثقافت جس کا ڈاکٹر صاحب نے دعویٰ کیا ہے یقیناً کچھ لوگوں کو کتابوں سے دلچسپی کی طرف ابھارے گی۔ خواہ وہ کتابیں مذہب پر مبنی غیر عربی زبان سے ہوں یا عربی زبان سے

ہم اس بات پر مصر نہیں کہ جناب امیرالمومنین امام المتقین علیہ السلام کے خطبہ میں لفظ کتاب بطور مطلق استعمال ہوا ہے بلکہ اس سے مراد احتمالاً وہی عیسائیوں اور

---

[1] نہج البلاغہ۔ خطبہ ۳۳

یہودیوں کی مذہبی کتابیں ہو سکتی ہیں لیکن جس کھیلی ہوئی ثقافت کا ڈاکٹر صاحب نے دعویٰ کیا ہے اس میں قطعی طور پر ایسے گروہ کا ہونا ضروری ہے جو یہودیوں اور عیسائیوں کی مذہبی کتابوں سے واقف ہو حالانکہ جناب امیرالمومنین علیہ السّلام ایسے افراد کی نفی فرماتے ہیں۔

ہوائی قلعے بجائے تاریخ :-

اس دانشمند نے تاریخ میں ہوائی قلعوں کی تعمیر کی ہے اور تاریخ پر توجہ دینے کے بجائے حدس وتخمین کا سہارا لیا ہے۔ ہم اب اس جزیرہ نمای عرب کے چہرے کو تاریخ کے صحیح متون کے آئینہ میں جلوہ گر کر کے اپنی بحث کو اختتام پر پہنچاتے ہیں۔ مشہور مورخ بلاذری[1] جزیرہ نمائے عرب کی ثقافت کے بارے میں لکھتا ہے "جس وقت سرزمین حجاز پر اسلام آیا ذیل کے کل سترہ آدمی تھے جو لکھنا جانتے تھے۔

(۱) حضرت عمرؓ بن خطاب، (۲) جناب علی بن ابی طالب علیہ السلام
(۳) حضرت عثمانؓ (۴) حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح
(۵) حضرت طلحہؓ (۶) یزید بن ابی سفیانؓ
(۷) ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہؓ (۸) حاطب بن عمرؓ
(۹) ابوسلمہ المخزومیؓ (۱۰) ابان بن سعیدؓ
(۱۱) خلد بن سعیدؓ (۱۲) عبداللہ بن سعید بن ابی سرح
(۱۳) حویطب بن العزیؓ (۱۴) حویطبؓ بن عبدالعزی العامری
(۱۵) ابوسفیان بن امیہؓ (۱۶) معاویہؓ بن ابی سفیانؓ
(۱۷) جہیم بن الصلتؓ اور قریش کے حلیفوں میں صرف ایک شخص "العلاء بن حضرمی" لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

---

[1] - فتوح البلدان۔ ص ۴۶۶

عورتوں میں حضرت حفصہ، ام کلثوم بنت عقب اور کریمہ بنت مقدار لکھنے پڑھنے سے واقف تھیں۔ اس کے علاوہ عائشہ بنت سعد نے یہ تعلیم اپنے باپ سے حاصل کی تھی۔

"یثرب" کے تعلیم یافتہ افراد

جب اسلام "یثرب" (المدینہ) میں داخل ہوا تو وہاں کے لکھنے والوں میں ذیل کے یہ افراد تھے:

(۱) سعد بن عبادہ، (۲) منذر بن عمر
(۳) ابی بن کعب (۴) زید بن ثابت
(۵) رافع بن مالک (۶) اسید بن حضیر
(۷) معن بن عدی (انصار کے حلیف) (۸) بشیر بن سعد
(۹) سعد بن الربیع (۱۰) اوس بن خولی
(۱۱) عبداللہ بن ابی[1]

مرکزی حیثیت رکھنے والے حجاز کے دو حساس ترین مقامات میں تعلیم یافتہ افراد کی تعداد ۲۸ سے زیادہ نہیں تھی۔ ایسی حالت میں اگر جناب عبداللہ، جناب رسالتمآب کو مدرسہ نہ بھیجیں تو کیا انہوں نے آپ کے حق میں ظلم یا بے مہری سے کام لیا ہے یا یہ کہ اصولاً وہاں کوئی مکتب یا مدرسہ ہی نہیں تھا؟ وہ گنے چنے لوگ جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان کی صورت بھی مکمل طور پر استثنائی تھی۔

---

[1] فتوح البلدان۔ ص۔ ۶۶۲

تیسری دلیل

قرآن نے جناب رسالتمآب ؐ کو جاہل نہیں بلکہ "اُمّی" (یعنی ناخواندہ) کا لقب دیا ہے۔ اور آپ کی یہ صفت سورہ اعراف کی ۱۵۷ اور ۱۵۸ آیتوں میں اس طرح وارد ہوا ہے:

"الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوریۃ والانجیل ....."

یعنی جو لوگ اس ناخواندہ رسول کی پیروی کرتے ہیں جس کا تذکرہ تورات و انجیل میں ان کے پاس لکھا ہوا موجود ہے۔

"..... فاٰمنوا باللہ ورسولہ النبی "الامی" الذی یومن باللہ وکلماتہ واتبعوہ لعلکم یھتدون۔"

یعنی "پس خدا اور اس کے اس "ناخواندہ" نبی پر ایمان لاؤ جو اللہ اور اس کے کلمات پر یقین رکھتا ہے تاکہ تمہیں ہدایت کی روشنی ملے۔"

قرآن نے ان دو آیتوں میں جناب رسالتمآب کے لئے "اختصاصی" صفات کا ایک سلسلہ رکھا ہے۔

۱۔ رسول ہے ۲۔ نبی ہے ۳۔ اُمّی ہے ۴۔ اس کے شمائل و خصائل تورات و انجیل میں درج ہیں اور دیگر اوصاف کا ایک سلسلہ جو مذکورہ آیت کے ذیل میں آیا ہے۔

"اُمّی" کا مفہوم تلاش کرنے کے لئے ہم تفاسیر اور لغت کی تمام کتابیں آپ کے حوالے کرتے ہیں۔ سب نے بالاتفاق یہ لکھا ہے کہ عربی زبان میں "ناخواندہ" کو "اُمّی" کہا جاتا ہے۔ اور در حقیقت تحت اللفظی اعتبار سے

"اُمّی" ماں کے مفہوم میں "ام" سے منسوب ہے اور آخر میں "ی" یائے نسبتی ہے۔ اور "ناخواندہ" ہونے کے مفہوم میں یہ کنایہ اس لیے ہے کہ جو شخص شکمِ مادر سے متولد ہوتا ہے وہ علم و دانش اور فنون و صنایع سے بے بہرہ ہوتا ہے اور اگر برسوں بعد بھی وہ اپنی اسی حالت پر باقی رہے تو ایک نومولود بچے سے مختلف نہیں ہوتا اسی لیے سن تمیز کو پہنچنے والے ان لوگوں کو بھی "اُمّی" کہا جاتا ہے جو معلومات سے بے بہرہ ہوں۔

اس استدلال پر ہندوستانی دانشور کا جواب

ڈاکٹر عبداللطیف صاحب نے اُوپر کے مفہوم کو لیتے ہوئے "اُمّی" پر دو اور مفہوم کا اضافہ کیا:

۱۔ اُمّی وہ ہے جو مکہ میں پیدا ہوا ہو، کیونکہ مکہ کے ناموں میں سے ایک نام "ام القریٰ" بھی ہے اور "ام" پر یائے نسبتی لگانے سے "اُمّی" ہو جاتا ہے۔

۲۔ اُمّی ان افراد کو بھی کہا جاتا ہے جو قدیم سامی فنون سے ناواقف ہوں اور جو دینِ مسیح یا دینِ یہود کے پیروکاروں یا با اصطلاحِ قرآن اہلِ کتاب سے نہ ہوں۔ اب جب اُمّی کے یہ تین مفاہیم ہیں تو آخر ہم نے اس پہلے مفہوم کو کیوں اختیار کیا ہے۔

اُمّی سے متعلق ڈاکٹر صاحب کا یہ نظریہ ذیل کی وجوہات کی بنا پر مہمل اور ناقابلِ قبول ہے:۔

۱۔ وہ مرکب جس میں ترکیبِ اضافی ہو اور اس کے آغاز میں لفظ "اب"۔ "ابن"۔ یا "ام" آئے تو نسبت دیتے وقت اس کا ابتدائی لفظ

حذف ہو کر اس کے آخر میں یائے نسبتی لایا جاتا ہے۔ جیسے "ابن الزبیر" کیلئے زبیری۔ "ابی بکر" کے لئے "بکری" وغیرہ۔ اس بنا پر اگر ہم کسی کو ام القری سے نسبت دینا چاہیں تو ہمیں کہنا ہو گا "قروی" نہ کہ "امی"۔ اور اس اصول کے بارے میں الفیہ بن مالک کا ایک شعر نقل کرتا ہوں۔

اضاف مبدوہ بابن اواب   او ماله التعریف بالثانی وجب [۱]

۲۔ سورہ اعراف کی ۱۵۷ و ۱۵۸ آیتوں میں مذکور ہر ایک صفت ایک خاص مقصد کے لئے استعمال ہوئی ہے۔ اور لفظ "امی" کو پیغمبرؐ کی توصیف میں ان کی غیر معمولی قوت بیان کے لئے استعمال کیا گیا ہے کہ آپ باوجود امی ہونے کے اس عظیم مقام پر فائز ہوئے ہیں اور اس کا بیان سورہ جمعہ میں موجود ہے۔ جہاں ارشاد ہوتا ہے:۔

"ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلو علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ"

یعنی وہ خدا جس نے ناخواندہ لوگوں کے درمیان انہیں میں سے ایک پیغمبر کو مبعوث فرمایا اور یہ پیغمبر امی ہونے کے باوجود انہیں کتاب و حکمت کا درس دیتے ہیں۔

یہ مقصد اور یہ اظہار قدرت اسی وقت درست ہو سکتا ہے اور اس میں زور اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب لفظ امی ناخواندہ کے مفہوم میں آئے وگرنہ مکی یا مدنی ہونے سے کوئی بات نہیں بنتی۔

۳۔ ام القری یعنی مرکز دیہات، یہ مکہ کا نام نہیں بلکہ ایک وضعی

---

[۱] شرح ابن عقیل۔ باب نسبت۔ جلد ۲۔ صفحہ ۳۹۱۔

مفہوم کا حامل ہے اور ہر اس جگہ پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جو آبادیوں کا مرکز ہو۔ لہٰذا اگر مکہ آبادیوں کے درمیان ہونے کے اعتبار سے ام القری ہے تو طائف، یثرب اور نجران وغیرہ بھی ام القری ہیں۔ ذیل کی آیت پر توجہ اس حقیقت پر روشنی ڈالتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:۔

"وما کان ربک مهلک القری حتی یبعث فی امها رسولا"

(قصص ۵۹)

یعنی تمہارا پروردگار ہر گز دیہات کے رہنے والوں کو ہلاک نہیں کرتا مگر یہ کہ اس کے مرکز میں کسی رسول کو مبعوث فرمائے۔ (اور لوگ اس کی نافرمانی کریں)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اس آیت میں ام القری مطلق طور پر دیہات کے مرکز کو کہا گیا ہے اور یہ لفظ کسی خاص جگہ کے لئے نہیں آیا ہے اس لئے یہ کہنا درست نہیں کہ "چونکہ ام القری مکّہ کا دوسرا نام ہے لہٰذا پیغمبر اسلام کو مکی کہنا ایسا ہی ہے جیسا کہ مدنی کہنا۔

۴۔ اُمی کا تیسرا مفہوم بھی اسی پہلے مفہوم سے متعلق ہے کیونکہ اگر قرآن میں غیر اہل کتاب (یعنی بت پرست اعراب) کے لئے لفظ اُمی آیا ہے تو وہ اس لئے نہیں ہے کہ اُمی کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ وہ نصاری اور یہود کی مقدس کتابوں سے ناآشنا ہوں بلکہ اس اعتبار سے ہے کہ بت پرست عربوں کی اکثریت پڑھی لکھی نہ تھی اور سامی وغیرہ کسی متن سے ان کو سروکار نہیں تھا، لیکن یہود و نصاری کی اکثریت کا مذہبی اور غیر مذہبی کتب سے بڑا محکم رابطہ تھا اور لکھنا پڑھنا بڑے وسیع پیمانے پر ان کے درمیان رائج تھا۔

اس رُو سے کبھی لفظ اُمّی مکی نہ ہونے کی صورت میں بھی اہلِ کتاب کے مقابل استعمال ہوا ہے۔ مثلاً:۔

"وقل للذین اوتوا الکتاب والامیین اسلمتم" (آل عمران ۲۰)

یعنی کہہ دو اہلِ کتاب اور بت پرست عربوں سے، کیا تم اسلام لائے ہو؟ اس کے علاوہ سورۂ آل عمران آیت ۷۵ بھی اسی مفہوم کو پیش کرتی ہے۔

اور کبھی خود یہی لفظ "اُمّی" اہلِ کتاب کے اس گروہ کے لئے استعمال ہوا ہے جسے پڑھنے لکھنے سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

"ومنھم امیون لا یعلمون الکتاب الا امانی" (بقرہ ۷۸)

یعنی: اہلِ کتاب میں ایسے ناخواندہ لوگ بھی ہیں جو توراۃ کو صرف اپنی آرزوں کی کتاب سمجھتے ہیں۔ اس بنا پر "اُمّی" کا ایک مفہوم یہ نہیں ہے کہ وہ اہلِ کتاب سے نہ ہو بلکہ امی ناخواندہ شخص کو کہا جاتا ہے خواہ وہ بت پرست ہو یا اہلِ کتاب۔

مفسروں میں صرف علی بن ابراہیم[۱] نے سورہ جمعہ کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ:

"اُمّیین ان افراد کو کہا جاتا ہے جو آسمانی کتاب کے حامل نہ ہوں، اس کے بعد وہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: مکّہ کے لوگ لکھنا جانتے تھے، لیکن صاحب کتاب نہ ہوتے اور کسی پیغمبر کے نہ آنے کی وجہ سے خداوند عالم نے انہیں "اُمّیین" سے نسبت دی ہے۔

۱۔ تفسیر نور الثقلین۔ جلد ۵۔ صفحہ ۳۲۲

اس حدیث کا مضمون عین ڈاکٹر صاحب کے نظریہ کے مطابق ہے لیکن دو وجوہات کی بنا پر ہماری گفتگو کی تائید کرتا ہے۔

۱۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ "اُمّیین" کا ابتدائی مفہوم یہی مطلق طور پر ناخواندہ ہوتا ہے مگر چونکہ مکّہ کے لوگ دینی کتابوں کا علم نہیں رکھتے تھے لہٰذا مطلق ناخواندہ لوگوں کے مفہوم میں آنے والے لفظ کا اطلاق ایک خاص عنایت کے ساتھ ان لوگوں پر ہوا ہے جو خاص قسم کی کتابوں سے ناآشنا تھے۔

۲۔ اگر اس روایت کی رُو سے ہم لفظ "اُمّیین" کے بارے میں اس طرح کی توجیہہ کو مان لیں تو کوئی وجہ نہیں کہ مفرد "اُمّی" کے بارے میں اس طرح کی خلافِ واقع گفتگو ہمارے لئے قابلِ قبول ہو۔ خاص کر گذشتہ شواہد کے ملاحظہ کے بعد تو بات اور بھی واضح ہوجاتی ہے۔

نتیجہ:۔ گذشتہ بحثوں نے اس بات کو ثابت کر دیا کہ جناب رسالتمآبؐ نے روزِ بعثت تک کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیا اور اس دن تک کاغذ اور قلم کو ہاتھ نہیں لگایا۔ آپ بلاشبہ جہالت سے دُور ایک ناخواندہ "اُمّی" انسان تھے۔

پہلا سوال

کیا جناب ختمی مرتبت نبوّت پر فائز ہونے سے پہلے اعجاز اور غیبی توجہات کے ذریعے لکھنا پڑھنا جانتے تھے؟

تاریخ آغازِ نزولِ وحی اس سوال کا کیا جواب دیتی ہے؟

پچھلی تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا کہ درسگاہ وحی کے ممتاز شاگرد نے ان وقتوں کے معمولی سے مکتب میں بھی تعلیم حاصل نہیں کی اور ایک دفعہ بھی قلم نہیں تھاما اور نہ ہی کسی لوح کا مطالعہ کیا، لیکن ابھی بحثی نکات کا ایک سلسلہ رہ جاتا ہے جن کا مدلل جواب ضروری ہے۔

١- کیا عزیز قریش بعثت سے قبل بطریق اعجاز لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور اس پر انہیں قدرت حاصل تھی یا نہیں؟

٢- اگر آئندہ دلائل اس بات کو ثابت کریں کہ حضور سرورِ کائنات بعض مصلحتوں کی بنیاد پر قبل بعثت اس لطف و عنایت سے بے بہرہ رہے تو کیا بعد بعثت یہ لطف و عنایت ان کے شاملِ حال رہی؟

٣- اگر اس بات کے دلائل و شواہد ملیں کہ بعد بعثت حجابات کے اُٹھ جانے کے بعد آپ کو لکھنے پڑھنے کی صلاحیت حاصل ہوئی تو کیا آپ نے اس غیبی نعمت سے استفادہ کیا؟ اگر کیا تو کیا یہ پڑھنے کی حد تک تھا یا اس میں مکتوب نگاری بھی شامل تھی؟

اِن سب باتوں کا جائزہ ہم اگلے صفحات میں پیش کریں گے۔

[illegible]

سے دور اس نعمت سے حصولِ منفعت اس زمانے میں ممکن نہیں تھا۔

یہ وہ دور تھا جہاں شاعری کی فضیلت پڑھنے لکھنے سے بڑھ کر تھی۔ ادبیات عرب میں شعر سازی کی بنیادی حیثیت تھی، عرب اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنیاد پر

دوسرا سوال

کیا جناب ختمی مرتبتؐ دوران رسالت لکھنے پڑھنے سے واقف تھے ؟
ہمارا مطمحِ نظر صرف لکھنے پڑھنے کی توانائی ہے اس کا سبب ہرگز نہیں۔ ڈاکٹر سیّد عبداللطیف صاحب فرماتے ہیں۔

ارقام ریاضی کے تحت ڈاکٹر صاحب کے دلائل :۔

۱۔ مفسرین نے قرآن کو دست برد سے بچانے کے لئے پیغمبر کو اُمّی لکھا ہے۔
مفسرین نے لوگوں پر یہ ثابت کرنے کے لئے کہ قرآن خالصتاً خدا کا کلام ہے جناب رسالتمآبؐ کو اُمّی اور جاہل وانمود کیا اور سوچا کہ اس طرح قرآن مجید خالص صورت میں محفوظ رہ سکتا ہے۔

جواب :۔ ڈاکٹر صاحب نے مفسرین کے بارے میں جو بات کہی ہے وہ نہایت عجیب اور اس سے جو نتیجہ نکالا ہے وہ اس سے بھی زیادہ عجیب ہے۔ مفسرین کی نسبت کہی جانے والی بات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے مدعا پہلے سے طے کر لیا ہے (کہ قرآن کو ہر طرح کی دست برد سے محفوظ رہنا چاہیئے) اور اس کے بعد دلیل ڈھونڈنے نکلے اور جب دلیل نہیں ملی تو مجبوراً انہوں نے اپنی طرف سے ایک دلیل تراش لی۔ مفسرین اگر قرآن کو جناب ختمی مرتبتؐ کے ذاتی افکار سے محفوظ سمجھتے ہیں تو اس کی وجہ ان کے نزدیک آپ کی عصمت ہے اور وہ اگر آپؐ کو اُمّی سمجھتے ہیں تو اس لئے نہیں کہ وہ کسی طرح کلام الٰہی کو ہر طرح کے دخل و تصرّف سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں بلکہ اس لئے ہے کہ خداوند عالم نے آپ کو اُمّی کہا ہے اور بہت سے دلائل اس کی تائید کرتے ہیں۔ ہم جناب ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں یہ درخواست کرنا چاہتے ہیں کہ انہوں نے مفسرین

بعثت سے قبل لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اور یہ بات آپ کے لئے قطعاً معیوب نہیں تھی۔

دوسرا سوال

کیا جناب رسالت مآبؐ دوران رسالت لکھنے پڑھنے سے واقف تھے؟

سوال، دوران رسالت آپ کے لکھنے پڑھنے کی توانائی کے موضوع سے ہے اور اس میں ہمیں سبب سے کوئی سروکار نہیں کہ اس کی وجہ آپؐ کے بچپن کی تعلیمات رہی ہیں۔ جیسا کہ ڈاکٹر صاحب کے مضمون سے ثابت ہوتا ہے یا اسکی وجہ الہامی اور عطائی غیبی ہے۔

اب ہم سبب سے قطع نظر ڈاکٹر صاحب کے ان دلائل کا جائزہ لیتے ہیں جو انہوں نے اصل توانائی کے اثبات میں پیش کی ہیں۔

اس کے بعد ہم خود اپنے دلائل سے اسی سوال کا جواب عرض خدمت کرینگے۔

شاعری کی مختلف فصلوں میں قطعات کہتے اور جنگوں میں سپاہیوں کو جوش دلانے اور دشمن پر رعب قائم کرنے کے لئے اس سے استفادہ کرتے تھے وہ اپنے اس فن میں خاص طور پر جنگی رجز کے طور پر اتنے ماہر تھے کہ دشمن کے رجز کا اسی وقت فی البدیہ پیشگی آمادگی کے بغیر اسی وزن اور اسی قافیہ میں جواب دیتے تھے۔ قرآن ان لوگوں کی تہمت کے جواب میں جو قرآن کو آپ کی شاعری سے نسبت دینا چاہتے تھے ارشاد فرماتا ہے۔

"وما علمنٰہ الشعر وما ینبغی لہ ان ھو الا ذکر وقرآن مبین"
(یٰسین۔ ۶۹)
ہم نے پیغمبر کو شاعری کی تعلیم نہیں دی اور یہ کتاب بجز ذکر الٰہی اور قرآن مبین کچھ اور نہیں۔

اس آیت میں قابلِ غور جملہ "وما ینبغی لہ" ہے۔ یہ جملہ ان لوگوں کو خبردار کرتا ہے جو انسانی افتخار اور سربلندی کو اپنی تنگ نگاہی کے ساتھ مادی زاویہ سے دیکھتے ہیں اور بتاتا ہے کہ بعض باتیں کچھ لوگوں کے لئے باعثِ فضیلت و افتخار ہوتی ہیں لیکن وہی باتیں ان لوگوں کے لئے جو ان سے برتر و بالا تر ہیں نہ صرف یہ کہ باعث افتخار نہیں ہوتیں بلکہ ممکن ان کے مقام و مرتبہ کے لئے زیب بھی نہ دیں۔

لکھنا، پڑھنا، شاعری کی طرح نہیں کہ کسی کو زیب دے اور کسی کو نہ دے لیکن اس کی تعلیم کے لئے ضروری نہیں کہ سب لوگ یکساں روش کے حامل ہوں۔ وہ لوگ جنہوں نے علم و دانش کو بشری معلمین کے ذریعے سیکھا ہے ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ لکھنے پڑھنے کی تعلیم کو مراحل کیساتھ درسا درسا حاصل کریں۔ لیکن وہ محترم ہستی جو ولادت کے دن ہی سے معلمین وحی کی زیرِ تربیت رہی ہو اور جس نے انبیاء الٰہی کی مخصوص روش پر حقائق و معارف کو حاصل کیا ہو ہرگز ضروری نہیں ہے کہ بشری ذرائع سے مستفید ہو۔

نتیجہ: تاریخ نزول وحی نے پہلے سوال کا جواب اس طرح دیا کہ جناب ختمی مرتبتؐ

کی نسبت جو کچھ کہا ہے اس کے لئے کوئی سند پیش کریں۔ صرف یہی نہیں کہ یہ غلط اور باطل نسبت علماء اسلام کی علمی کتابوں میں نہیں ہے کبھی افسانہ نگاروں کی ذہن میں بھی اس کا تصور نہیں آیا۔

۲۔ جناب ختمی مرتبت کی ذمہ داری قرآن کی تعلیم تھی جو کہ لکھنے پڑھنے کی صلاحیت کے بغیر ناممکن ہے، مفسرین نے جناب رسالت مآب کی بنیادی امور سے متعلق ذمہ داری پر توجہ نہیں دی ہے۔ پیغمبر اکرم کا کام صرف یہ نہیں تھا کہ آپ وحی الٰہی کو حاصل کریں بلکہ قرآن کی تعلیم بھی آپ کی ذمہ داری تھی اور دوسروں کو کسی کتاب اور اس میں موجود علوم کی تعلیم کے لئے کم از کم یہ بات ضروری ہے کہ معلم قلم چلانا جانتا ہو یا پھر قلم سے لکھی ہوئی تحریر کو پڑھ سکتا ہو اور یہ بات آپ پر نازل ہونے والی ابتدائی وحی سے آشکار ہوتی ہے جہاں ارشاد ہوتا ہے۔

اقرأ باسم ربك الذی خلق، خلق الانسان من علق، اقرأ وربك الاکرم الذی علم بالقلم، علم الانسان مالم یعلم (سورہ علق آیت ۱-۵)

یعنی پڑھو (اے رسول) اپنے پروردگار کے نام سے جس نے تمہیں خلق کیا وہ خدا جس نے تمہیں جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے، پڑھو کہ تمہارا خدا بہت بزرگ و بالا ہے جس نے قلم کے ذریعے انسان کو علم سکھایا اور اسے وہ کچھ بتایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

جواب:۔ ہمارے ہندوستان کے محترم استاد نے انبیاء و مرسلین کی تعلیم و تدریس کے میتھڈ کو قدیم یونان، ایران، ساسان اور عصر حاضر کے تعلیمی میتھڈ سے مقابلہ کر کے اسے یکساں نوعیت کا حامل جانا ہے۔ تعلیم کا یہ انداز کہ استاد ضمنی طور پر کتاب کھول کر اپنے سامنے رکھے اور طلباء ایک حلقے کی صورت اس کے گرد بیٹھ جائیں اور نوٹ بک اپنے ہاتھوں میں تھام کر استاد کی باتیں نوٹ کرتے رہیں یا پھر استاد کے ساتھ صرف اپنی کتابوں پر نظر رکھیں معمولی اور عام معلمین کا طریقہ ہے جیسے آج ہم

مغربی ممالک کی ثقافت میں زیادہ بہتر اور زیادہ مکمل صورت میں دیکھتے ہیں۔

لیکن آسمانی معلّمین سے تعلیم حاصل کرنے والے افراد جن میں پیغمبر اسلام کو فوقیت حاصل ہے وحی کو فرشتۂ وحی سے اخذ کر کے الٰہی فضل و عنایات کے ساتھ اسے ہمیشہ کے لئے اپنے ذہنوں میں محفوظ کر لیتے تھے چنانچہ جناب ختمی مرتبت ؐ مساجد محافل، منبر اور مختلف جلسوں میں لوگوں کو آیات الٰہی پڑھ کر سناتے تھے اور پھر اپنے پند و نصائح اور مفید جامع باتوں سے ان کی رہنمائی فرماتے تھے اور قرات قرآن اور ابلاغ سخن کے انہیں دو ذریعوں سے اپنی معلمی کا کردار ادا کرتے تھے۔ پیغمبر کے ہاتھوں میں نہ کوئی کتاب تھی اور نہ لوگوں کو اس کی ضرورت۔ نہ تختہ سیاہ درکار تھا۔ اور نہ کاغذ و قلم بلکہ پیغمبر ؐ کے ابلاغ کا ذریعہ اپنی یادداشت سے قرآنی تعلیمات، القاء خطب اور تذکرہ پند و نصایح تھا اور ان دونوں ایک مذہبی اور اخلاقی رہنما کے لئے اس کے علاوہ اور کسی ذریعہ کی ضرورت نہیں تھی۔

اپنی تیرہ سالہ مکی زندگی میں پیغمبر اسلام کو اسی انداز سے اپنا کردار ادا کرنا تھا وہاں نہ کوئی لوح درکار تھی اور نہ کوئی کتاب، مکّہ میں درحقیقت منظم طور پر کوئی کاتب وحی نہیں تھا اور اگر تھا تو مسلمانوں میں سوائے حضرت علی ؑ کے اور کوئی اس کام پر معمور نہ تھا۔ حقیقتاً وہاں صورت حال ایسی نہ تھی کہ مسلمان اپنی اس اقلیت کے ساتھ ایک جگہ جمع ہوتے اور لکھنے پڑھنے کا سامان معین کرتے اور جناب ختمی مرتبت ؐ انہیں وحی املا کراتے، صورت حال یہ نہیں تھی بلکہ صاحبانِ ایمان اپنے قوی حافظوں کی بنیاد پر جو قوم عرب کی خصوصیات سے تھی قرآنی آیات کو مکّہ میں حفظ کیا کرتے تھے چنانچہ حبشہ میں جناب جعفر بن ابی طالب نے جناب مریم ؑ کے بارے میں قرآن کے نظریہ کو پیش کرنے کے لئے اپنے حافظہ سے آیات کی تلاوت کی اور اس کے لیے جیب سے کوئی لوح نہیں نکالی۔

ؐ سیرہ ابن ہشام - ص ۳۳۶

البتہ بعض اوقات کچھ مومنین کسی سورہ کی بعض آیتوں کو کسی لوح پر تحریر کرکے اسے ۲ یا ۳ افراد مل کر پڑھتے تھے۔ چنانچہ خلیفۂ دوم کے اسلام لانے کے بارے میں مذکور ہے کہ وہ اپنی بہن کے گھر پہنچے اور انہوں نے دیکھا کہ ان کی بہن اپنے شوہر کے ساتھ کسی صحیفہ کو پڑھنے میں مشغول ہیں جس میں سورہ طٰہٰ کی کچھ آیتیں تحریر تھیں۔[1]

مختصر یہ کہ مکہ میں تعلیم و تربیت کی اساس کتاب کے پڑھنے اور آیتوں کے لکھنے میں نہیں تھی بلکہ اس کا محور استماع آیات اور جناب ختمی مرتبت ؐ کے وہ سودمند جملے تھے جو آپ اپنے حافظے سے لوگوں تک پہنچایا کرتے تھے اور بعض اوقات کچھ مشرکین آپ کا مذاق اڑا کر آپ کو تکلیف دیتے تھے لیکن اس کے باوجود آپ نے اپنا مشن بخوبی پورا کیا۔ مدینہ کا ماحول اس سے مختلف تھا وہاں امن و امان کی فضا قائم تھی اور اسی لئے مدینہ میں لاکھوں[2] مسلمانوں کے درمیان بہت سے قاری پیدا ہوئے جنہوں قرآن کو ازبر کرلیا۔ اور یہ قاری بعد وفات پیغمبر ؐ بھی موجود تھے۔ ان کی ایک کثیر تعداد بئر معونہ کی لڑائی میں ماری گئی لیکن مسلمانوں کی اس کثیر تعداد میں صرف ایک مختصر گروہ نے وحی کی کتابت کا کام انجام دیا اور کاتبانِ وحی کہلائے اور ان کی تعداد ۱۱ افراد سے زیادہ نہیں تھی۔

ان میں کچھ کاتبان وحی وہ تھے جو رسالت مآب ؐ کے مدینہ آنے کے برسوں بعد اسلام لائے تھے اور جنہوں نے بندرت ہی کتابت وحی کی تھی۔ ان میں سے بعض وہ تھے جو تبلیغی خطوط اور اسناد اور قرارداد یں لکھنے پر مامور تھے اس کیفیت کے ساتھ آپ ۲۳ سال تک کسی لوح کی عمل درآمد کے بغیر ان کے معلم رہے ہیں۔

یہ مسلم تاریخ بتاتی ہے کہ جناب رسالت مآب ؐ کا تعلیمی میتھڈ الواح اور صحائف کے مطالعہ کی بنیاد پر نہ تھا بلکہ آپ آیاتِ الٰہی کو اپنے حافظہ سے بیان

---

[1] سیرۃ ابن ہشام۔ ص ۲۶۵

[2] صحیح بخاری جلد ۳ ص ۱۸۳ اشاعت ۱۳۱۴ قمری

فرماتے اور اس کے بارے میں توضیحات پیش کرتے تھے اور کوئی بات جب رونما ہوتی تو آپ کسی کتاب یا نوشتہ سے رجوع کئے بغیر اس کا حکم صادر فرماتے تھے اور یہ اس لئے تھا کہ آپ نے احتیاجات بشر سے متعلق تمام احکامات کو مکتب وحی سے سیکھا تھا۔ آپ کو ہرگز کسی کتاب سے رجوع کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ آپ تمام مسائل و احکامات کو اپنی یادداشت سے جانتے تھے۔

پیغمبر کے طرز تعلیم کا اس دور کے تمام مدرسین کے طرز تعلیم سے مختلف ہونا بہت زیادہ باعثِ تعجب نہیں کیونکہ آج کی تعلیم کا مینھڈ گذشتہ صدیوں کے طرز تعلیم سے بالکل مختلف ہے آج ہمارے پاس ایسے تعلیمی وسائل موجود ہیں جو گذشتہ ادوار میں موجود نہ تھے اور اس کی مثال ریڈیو، فلم، ٹیلیویژن، کیسٹ اور گراموفون کے ریکارڈ وغیرہ ہیں۔

جاہل عربوں کے دور میں سماعت اور یادداشت تعلیم کا محور تھی۔ ان کی یادداشت بڑی طاقتور تھی، وہ طویل خطبوں اور طولانی قصیدوں کو ایک دو دفعہ سن کر یاد کر لیا کرتے تھے۔ عرب کے مشہور سخن ور اور گلوکار سال کے معین دنوں میں بازار "عکاظ" اور دوسرے مقامات پر اپنے ہیجان آور اشعار سنایا کرتے تھے اور اپنی شخصیت منوا کر دادِ تحسین حاصل کرتے تھے لیکن تاریخ عرب میں کہیں یہ درج نہیں ہے کہ کسی خطبے یا قصیدے کے موقع پر عرب کی جاہل قوم نے اپنے ہاتھ میں قلم اور کاغذ لے کر خطباء و فصحاء کی باتیں یادداشت کی ہوں۔

خلیفہ دوم نے لوگوں کو احادیث لکھنے پر پابندی لگا دی تھی اور یہ روش ایک سو سال یا اس سے زیادہ عرصہ تک جاری رہی بعد میں اموی خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے جسے دیگر تمام خلفاء کی نسبت اسلام اور جناب رسالتمآب سے زیادہ دلسوزی تھی آنحضرت کے چھوٹے بڑے خطبات اور احادیث کی جمع آوری ہوئی۔[1]

---

[1] کنز العمال۔ ج ۵۔ ص ۲۳۹ = مستدرک حاکم۔ ج ۱۔ ص ۱۰۲

امیرالمومنین علیہ السلام اپنے شعلہ بار خطبوں کو عام اجتماعات میں دشمن کے ساتھ معرکہ آرائی کے موقع پر القا فرماتے تھے۔ ان میں سے بیشتر خطبے تند نویسوں کے ذریعے ضبط تحریر میں لائے بغیر عرب کے غیر معمولی حافظوں کے ذریعے محفوظ ہو جایا کرتے تھے۔

مختصر یہ کہ ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ اس معلم سے مراد کیا ہے جسے قرآن نے خصوصی مرتبے سے نسبت دیکر تصریح کی اور کہا: ویعلمھم الکتاب والحکمۃ[1] کیا وہ اس بات پر معمور تھے کہ قرآن اور اسلام کے حقائق کو لوگوں تک پہنچائیں یا اس لئے آئے تھے کہ مسجد کے مدرسین کی طرح آسمانی کتاب کو بہ اعتبار لغت لوگوں کو سکھائیں یقیناً اظہر من الشمس ہے کہ آپ پہلی بات کے لئے آئے تھے کیونکہ اپنی یادداشت سے قرآنی آیات کی تلاوت، مفہوم و مقصود آیت، اس کی تشریحات، ابلاغ سخن، بیان احکام، فروع پر عمل اور اخلاقی اور معاشرتی موضوعات پر زبانی رہنمائی سے یہ مقصد پورا ہوتا تھا اور جو کوئی لکھنے پڑھنے سے واقفیت رکھتا تھا وہ آپ کی باتوں کو ضبط تحریر میں لاسکتا تھا لیکن ان پڑھ لوگوں کی اکثریت منہ زبانی بولنے سے تمام باتوں کو اپنے قلب میں سمو لیتی تھی۔

سورہ علق کا مقصد: ہندوستان کے ان فاضل ڈاکٹر صاحب کی دلیل کے ضمن میں سورہ علق کی جو آیتیں ترجمہ کے ساتھ گذشتہ صفحات میں آچکی ہیں ہرگز ان کے اس دعوے پر دلیل نہیں بنتیں جس میں انہوں نے کہا کہ کسی کتاب کو درس دینے والے کے لئے کم از کم یہ مناسب ہے کہ وہ قلم چلانا جانتا ہو۔ اس سورہ کی آیتیں اللہ کی عظیم نعمتوں کی نشان دہی کرتی ہیں کہ اللہ نے انسان کو حالت "علق" سے عالیترین مرتبہ تک پہنچایا، اسے معلومات فراہم کیں اور قلم کو اس

---

[1] سورہ آل عمران۔ آیت ۱۶۴

کے اختیار میں دیا لیکن اس سے ہرگز یہ بات سامنے نہیں آتی کہ جناب ختمی مرتبتؐ بھی دنیا کی دیگر اکثریت کی طرح نعمت قلم سے بہرمند تھے اور اسے استعمال میں لاتے تھے۔ گذشتہ آیتوں سے تلویحاً یہ بات سامنے آتی ہے کہ اسلام نے علم و دانش کو کسی ایک گروہ میں منحصر نہیں جانا اور انسانیت کو یہ شوق دلایا کہ وہ لکھنے پڑھنے کی اس نعمت سے بہرمند ہو۔

۳۔ قرآن میں "القلم" نامی ایک سورہ موجود ہے۔

مکہ میں جناب رسالتمآبؐ پر نازل ہونے والے سوروں میں ایک سورہ "القلم" بھی ہے۔ اس بنا پر جب خود قرآن قلم کے لئے اتنی اہمیت کا قائل ہے اور اسے وسیلۂ ترویج دانش جانتا ہے تو پھر کیا یہ بات قابل قبول ہے کہ جناب ختمی مرتبتؐ نے جو "یعلمہم الکتاب والحکمۃ[۱]" کے قرآنی متن کے مطابق تعلیم قرآن پر معمور تھے تمام عمر قلم سے اجتناب برتا ہو۔

جواب:۔ اس استدلال کا مقصد کسی حد تک پیغمبروں کی طرز تعلیم کو عام طرز تعلیم کے ساتھ ملانا ہے اور ہم اس کے بارے میں پہلے سب کچھ بتا چکے ہیں اور یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اخلاقی فضائل اور دیگر تعلیمات کے بارے میں جناب رسالتمآبؐ کی روش دوسروں سے مختلف ہے رہا یہ سوال کہ قلم کے بارے میں اتنی گفتگو کے باوجود آخر کیوں جناب ختمی مرتبتؐ نے اسے تمام عمر ہاتھ نہیں لگایا۔؟ تو اس کا جواب بالکل واضح ہے۔ بعض بڑی مصلحتوں کے پیش نظر جو بعد میں آپؐ کی نبوت کو لوگوں کے لئے مشکوک بناتی تھی۔ آپؐ خداوند عالم کی طرف سے مامور تھے کہ لکھنے پڑھنے سے لگاؤ پیدا نہ کریں اور کسی بشری مکتب سے وابستگی نہ رکھیں تاکہ لوگ آپ کو نابغۂ قرن، ابطل فکر اور معاشرے کا ایک فرد فرید تصور نہ کریں۔

ڈاکٹر صاحب کی روح استدلال یہ ہے کہ جناب ختمی مرتبتؐ کو یہ بات معلوم تھی

---

[۱] سورہ آل عمران۔ آیت ۱۶۴

کہ آپ کو عہدہ رسالت ملنے والا ہے اور آپ کے پروگرام کا آغاز تشریقی قلم سے ہے لہٰذا اس امر کے لئے کہ لوگ کل یہ نہ کہیں محمدؐ ایک بے عقل لو لینے والا ہے آپ نے بچپن اور جوانی میں قلم چلانے کی راہ سیکھی تاکہ لوگوں کے اعتراض سے محفوظ رہ سکیں لیکن ایک گہری نظر رکھنے والا مسلمان ہرگز آپ کے بارے اس انداز سے نہیں سوچے گا آپ اس بات پر مامور تھے کہ معانی وحی کو اپنے ذہن میں محفوظ کر کے سارے لوگوں تک پہنچائیں اور یہ کوئی عجیب کی بات نہیں کہ آپ طفلی اور جوانی کے ادوار میں بطور تفصیل قرآن کی خصوصیات سے بے خبر ہوں چنانچہ قرآن گزشتہ قوموں کی سرگزشت کے بارے میں صریحاً ارشاد فرماتا ہے کہ جناب ختمی مرتبتؐ اور آپ کی قوم ان قصوں سے قبل نزول قرآن بے خبر تھی۔[1]

۲۔ جناب رسالتمآب "صحف مطہرہ" کو پڑھتے تھے،

مفسرین نے اس بات پر توجہ نہیں دی کہ ۹۸ سورہ کی دوسری اور تیسری آیت میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے "رسول من اللہ یتلو صحفا مطھرۃ، فیھا کتب قیمۃ" یعنی وہ رسول جو مقدس اور باطل سے پاک صفحوں کی تلاوت کرتا ہے اور ان صفحوں میں اچھی اور سچی تحریریں ہیں پس جناب ختمی مرتبتؐ اس آیت کی رو سے صحائف کا مطالعہ فرماتے تھے۔

جواب:۔ قرآن میں جو بات صراحت سے آئی ہے وہ یہ ہے کہ امین وحی جبرئیل "قرآنی آیات کو آپ کے قلب پر نازل کرتا تھا۔ جیسا کہ آیت کے متن سے واضح ہے۔

"نزل بہ الروح الامین علی قلبک لتکون من المنذرین (شعراء آیت ۹۴)

یعنی روح الامین نے قرآن کو تمہارے قلب پر نازل کیا تاکہ تم لوگوں کو (اللہ کے غضب اور اس کے عذاب سے) ڈراتے رہو۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان صحف سے خداوند عالم

---

[1] :۔ تلک من انباء الغیب نوحیھا الیک ماکنت تعلمھا انت ولا قومک من قبل ھذا۔ (ھود۔ آیت ۴۹)

کی مراد کیا ہے جنہیں ختمی مرتبتؐ تلاوت کرتے تھے کیا اس سے مراد یہی عام رائج مادی لوح ہے؟ یعنی گویا رسالت مآبؐ قرآن مجید کو کسی کاغذ وغیرہ پر لکھ کر لوگوں کو پڑھ کر سنایا کرتے تھے (جو ڈاکٹر صاحب کی گفتگو کا ماحصل ہے) یا یہ کہ آپ خود اسے املا فرماتے تھے دوسرا لکھتا تھا اور آپ اس لکھے ہوئے کو لوگوں کے لیے از بر پڑھتے تھے تاریخ نزول قرآن اس احتمال کی تکذیب کرتا ہے کیونکہ محل نزول قرآن قلب پیغمبرؐ کو قرار دیا گیا ہے اور کسی اسلامی اور غیر اسلامی سند سے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ جناب رسالتمآبؐ قرآنی آیات کو پہلے ضبط تحریر میں لاتے اور پھر اسے لوگوں کے لیے پڑھا کرتے تھے یا پہلے لکھواتے اور پھر اس لکھے ہوئے کو قرآت فرماتے تھے۔

اصولاً ایک ذرا سی توجہ کے ساتھ اس احتمال کا غیر واقع ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ بعض آیتوں کا نزول جنگی محاذ اور راہ سفر تھا جہاں پیغمبرؐ کو ضبط تحریر کی فرصت نہیں تھی پیغمبر صرف ایک آیت تلاوت فرماتے اور کاتبان وحی اس کے لکھنے کا انتظام کرتے تھے بعض افراد صرف ایک دفعہ کے سن لینے سے تمام وحی کو از بر کر لیا کرتے تھے جب امین وحی آپ پر تلاوت کرتا تو آپ قرآن کو محفوظ کرنے کے لیے بے تحاشا شوق میں آیتوں کی تلاوت عجلت میں فرماتے لہٰذا اسے روکنے کے لیے ذیل کی آیت نازل ہوئی[1]

لا تحرك به لسانك لتعجل به ان علينا جمعه وقرانه ،

(سورہ قیامت - آیت ۱۶-۱۷)

یعنی اے پیغمبر وقت نزول اپنی زبان کو سرعت سے حرکت نہ دو کیونکہ قرآن کی جمع آوری اور اس کی تلاوت کی ذمہ داری ہم پر ہے۔

یہ آیت ہمیں بتاتی ہے کہ وقت نزول وحی اور اس کے بعد کسی قسم کی تحریر کا وجود نہیں تھا ورنہ کیا ضرورت تھی کہ آپ وحی کے نزول کے وقت سرعت اور عجلت سے اس کی تلاوت فرماتے

---

[1] تفسیر مجمع البیان۔ ج ۱۔ ص ۲۹۷ مطبوعہ صیدا۔

تعجب خیز بات یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے کس طرح مفسرین پر بے توجہی کا الزام لگایا حالانکہ تمام مفسرین نے ڈاکٹر صاحب کی زیر نظر آیت پر مکمل کر بحث کی ہے حتی کہ اس نکتہ کو بھی بیان کیا ہے کہ آیت پیغمبر کے اُمّی ہونے کی نفی نہیں کرتی اور ہم بطور مثال یہاں بیضاوی کی عبارت کو نقل کرتے ہیں۔

والرسول وان کان امیا لکنه لما تلی مثل ما فی الصحف کان کالتالی لها[۱]

یعنی پیغمبر اگرچہ ناخواندہ تھے لیکن چونکہ الواح پر لکھی ہوئی عبارت کے عین مطابق ان کی گفتگو تھی لہذا انہیں تالی صحف کہا جاتا تھا ہم آیت کی وضاحت کے لئے اس کے احتمالات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

الف:۔ بیضاوی کی طرح مشہور مفسرین نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔ تلاوت صحف کے لئے "صحیفہ" کا ہاتھ میں ہونا ضروری نہیں ہے خاص طور پر نزول قرآن اور اس کی تلاوت کے موقع اور حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ احتمال اور بھی زیادہ محکم ہو جاتا ہے اگر کوئی تورات، انجیل اور قرآن کے کچھ صفحات کو از بر پڑھتا ہے تو ہم یہی کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے تورات، انجیل یا قرآن کی تلاوت کی اسی طرح فردوسی، حافظ، یا مثنوی کو اپنی یادداشت پر پڑھنے کے لئے بھی ہم یہی پڑھنے کا لفظ استعمال کرتے ہیں اس بنا پر "یتلو صحفا مطهرة" (پاکیزہ صحائف کو پڑھتا ہے) سے مراد ہرگز یہ نہیں ہے کہ اسے دیکھ کر پڑھتا ہے۔

آیت میں ایک اور احتمال

آیت میں ایک احتمال اور بھی ہے کہ صحف سے مراد وہ مجرد برزخی الواح ہیں جسے فرشتہ وحی نزول وحی کے موقع پر آپ کی آنکھوں کے سامنے قرار دیتا رہا ہے جیسا کہ سورہ

[۱] تفسیر بیضاوی۔ ص ۸۰۶، مطبوعہ استنبول

علق کی تفسیر میں مفسروں نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

تیسرا احتمال یہ ہے کہ قلب پیغمبر پر نازل ہونے سے پہلے قرآن کا ایک وجودی نسخہ لوح محفوظ پر از قبل موجود تھا اور خود قرآن ان الفاظ میں اس کی تائید کرتا ہے بل ھو قرآن مجید فی لوح محفوظ (بروج ۲۲) اور جناب رسالتمآبؐ کی روح پاکیزہ کامل تجرد کے زیر اثر لوح محفوظ کے ان الواح کو پڑھ سکتی تھی یا پھر بعض واسطوں سے اس کے مضامین سے باخبر رہتی تھی بعض مفسرین نے ذیل کی آیت میں "صحف" کو لوح محفوظ سے تعبیر دی ہے

فی صحف مکرمہ، مرفوعہ مطھرہ، بایدی سفرہ، کرام بررہ،

(سورہ عبس ۱۳-۱۶)

یعنی یہ قرآن اعلیٰ، ارفع اور پاکیزہ صحیفوں میں ہے جو صالح لکھنے والوں یا گرامی قدر سفراء کے ہاتھوں میں ہے۔ ان احتمالات کے ساتھ یہ بات ہرگز نہیں کہی جا سکتی کہ صحفا سے مراد بس یہی مادی الواح اور انسانی ہاتھ کے بنے ہوئے کاغذ ہیں۔

۵۔ جناب رسالتمآب تمام اہل علم کو حصول علم کی دعوت دیتے ہیں۔

جناب ختمی مرتبتؐ نے حصول علم کو ہر مرد وزن کے لئے ضروری جانا ہے اور اس علم کو سورہ علق کی آیت کے مطابق قلم کی مدد سے سیکھنا چاہئے جناب رسالتمآبؐ مسجد میں داخل ہوئے آپؐ نے وہاں مومنوں کے دو گروہ کو دیکھا ایک مصروف عبادت تھا اور دوسرا کسب علم کر رہا تھا آپؐ نے دونوں گروہوں کی تعریف کی اور اس گروہ میں شامل ہوئے جو کسب علم میں مصروف تھا اس کے بعد آپ نے فرمایا چونکہ میں خداوند عالم کی طرف سے لوگوں کو تعلیم دینے کے لئے مبعوث ہوا ہوں اس لئے میں نے اس گروہ میں شمولیت اختیار کی ہے آپ نے فرمایا عبادت کی بہترین صورت حصول علم ہے۔

پیغمبرؐ چاہتے تھے کہ ان کے تمام اصحاب لکھنے پڑھنے سے واقف ہوں جنگ بدر میں آپؐ نے ان جنگی قیدیوں سے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے چاہا کہ تاوان بھرنے کے بجائے

وہ مسلمانوں میں سے دس افراد کو لکھنے کی دعوت دیں۔

جناب رسالتمآبؐ جب کبھی کسی حاکم کو کہیں بھیجتے تھے اسے یہ حکم دیتے تھے کہ وہ لوگوں کی تعلیم و تربیت سے متعلق امور کو براہ راست اپنی نگرانی میں رکھے پھر اس کے بعد بھی کیا یہ بات قابل فہم ہے کہ ایک ایسا رہبر در نما جو ہمہ وقت اپنے اصحاب کی تعلیم و تربیت کی فکر میں ہو اپنے آپ کو لکھنے پڑھنے کے فائدے سے محروم رکھے۔

جواب:۔ لکھنے پڑھنے اور حصول علم و دانش سے اسلام کی حمایت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے اور اگر ہم اس حمایت سے متعلق اسناد کو پیش کرنا چاہیں تو ہمیں صفحات کے صفحات پر کرنے پڑیں گے صرف بطور نمونہ ہم اپنے پڑھنے والوں کو صحیح بخاری اور بحار الانوار کا حوالہ دیتے ہیں[1]

لیکن یہ حمایت اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ خود جناب ختمی مرتبت لکھنا پڑھنا جانتے تھے وہ بھی عام طرز تعلیم کے ذریعہ اس کی مثال ہم یوں عرض کریں گے کہ ایک پچاس سالہ باپ اپنے بیٹوں کو حصول علم پر زور دیتا ہے اور انہیں لکھنے پڑھنے پر مائل کرتا ہے لیکن ناساز گار حالات یا بعض رکاوٹوں کی وجہ سے خود اس فیض سے محروم رہتا ہے تو کیا ایسی صورت میں باپ پر یہ گنجائش اعتراض ہے کہ وہ کیوں اپنے بیٹوں کو تعلیم پر زور دے رہا ہے جبکہ وہ خود گذشتہ ادوار میں اس کام کے درپے نہ تھا۔

جناب ختمی مرتبتؐ ایک ایسے مثالی اور کامل انسان تھے جن کی حیات کا نقشہ عظیم تر مصالح کے ایک سلسلہ کے تحت اس طرح مرتب ہوا تھا کہ آپ کے لئے روز بعثت تک لکھنے پڑھنے کی صورت پیدا نہ ہو۔

لیکن کیا ان حالات میں آپ کو یہ اختیار نہیں تھا کہ آپؐ اپنے اصحاب اور انسانی معاشرے کو علم و دانش کے حصول کی دعوت دیں اور اگر آپؐ نے یہ کام انجام

ع[1]۔ صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۷۔۳۸۔ بحار الانوار پہلی اور دوسری جلد

دیا تو گویا یہ بات قابلِ تحسین نہیں ہوگی۔

اس کے علاوہ ہرگز یہ بات واضح نہیں کہ گذشتہ مسجد میں علمی مذاکرہ کرنے والے گروہ کا طریق کار لکھنے پڑھنے کے ذریعہ ہو بلکہ احتمال ہے کہ وہ اسلام کے اصول وعقائد سے متعلق گفتگو میں مصروف ہوتے تھے اور وہاں لکھت پڑھت کی ہرگز کوئی صورت درپیش نہیں تھی۔

ڈاکٹر صاحب نے گویا یہ فرض کر لیا ہے کہ جناب ختمی مرتبتؐ ایام طفلی میں اس بات سے آگاہ تھے کہ انہیں چالیس سال بعد لوگوں کو لکھنے پڑھنے کی دعوت دینی ہے اور اس اعتبار سے ہر قسم کی کوتاہی سے بچنے کے لئے ضروری تھا کہ وہ ایام طفلی اور جوانی میں حصول علم پر توجہ دیں حالانکہ جو بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت کو قبل بعثت اپنی اصل نبوت کا علم تھا نہ یہ کہ آپ اپنی رسالت کے تمام خصوصیات سے بھی واقف تھے۔

۶۔ ابن حجر کی گفتگو

آٹھویں صدی عیسوی (دوسری صدی ہجری) کے مشہور عرب مورخ ابن حجر جس نے "بخاری"[۱] کے اخبار و احادیث کی تفسیر کی ہے پیغمبر اسلام کے پڑھے لکھے ہونے کے بارے میں اختلاف علماء کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "صرف مغربی ایشیا کے علماء ہی نہیں بلکہ شمالی افریقہ اور سسلی کے اہل علم حضرات کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ جناب ختمی مرتبت لکھنے پڑھنے سے واقف تھے۔

جواب: ہم دوسری صدی ہجری میں رہنے والے کسی ایسے ابن حجر کو نہیں جانتے جنے تیسری صدی ہجری میں لکھی جانے والی کتاب صحیح بخاری کی شرح کی ہو شاید اس قسم

۱؎ محمد بن اسمٰعیل بخاری کی ولادت ۱۹۴ اور وفات ۲۵۵ ہجری ہے اس اعتبار سے ان کا شمار تیسری صدی کے علماء میں ہوتا ہے پھر کس طرح دوسری صدی میں ابن حجر نے ان کی کتاب کی شرح لکھی؟

کے اشتباہات ڈاکٹر طٰہٰ صاحب کی کتاب کے مترجم جناب محمود تفضلی صاحب سے مزید ہوئے ہوں علماء اسلام میں ابن حجر کے عنوان سے دو افراد کو شہرت حاصل ہے

۱۔ ابن حجر عسقلانی، احمد بن حجر عسقلانی الاصل مصری المولد، "فتح الباری فی شرح احادیث بخاری" کے مؤلف ہیں انہیں نے ۸۵۲ ہجری قمری میں وفات پائی اور یہی ابن حجر ڈاکٹر صاحب کی مراد ہیں لیکن یہ نویں صدی عیسوی کے نہیں نویں صدی ہجری کے علماء میں سے ہیں۔

۲۔ ابن حجر ہیثمی، احمد بن محمد بن علی بن حجر "صواعق محرقہ" کے مؤلف ہیں جن کی سنہ ولادت ۹۰۹ اور سنہ وفات ۹۷۳ یا ۹۷۴ ہے

اب ہم اصل موضوع کی طرف پلٹتے ہیں در حقیقت ہمیں دیکھنا ہے کہ اتفاق و اجماع سے متعلق ابن حجر کے دعوے کی حیثیت کیا ہے اور وہ کس حد تک درست ہے اور کیونکر اسلام کے عظیم مصنفین نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔

ابن حجر نے جس اجماع کا ذکر کیا ہے اگر قبل بعثت سے تعلق ہے تو وہ قرآن و پیغمبرؐ کی مسلمہ سیرت کے خلاف ہے اور اگر بعد بعثت پر نظر ہے تو ایک ایسا دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں تاہم ابن حجر نے ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا ہے اس نے ہرگز یہ نہیں کہا کہ نہ صرف مغربی ایشیا بلکہ شمالی افریقہ اور سسلی کے تمام علماء کا یہی عقیدہ ہے کہ جناب ختمی مرتبتؐ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

اب ہم اس ٹکڑے کا ترجمہ پیش کرتے ہیں جسے ابن حجر نے اپنی کتاب "فتح الباری"[1] میں پیش کیا ہے۔

جس وقت ابو الولید الباجی" نے یہ کہا کہ جناب رسالتمآبؐ نے حدیبیہ میں اپنے نام اور لقب کو بدست خود لکھا تو اس وقت کے دانشمندوں نے اس کی مذمت کی اور اندلس کے علماء اس پر ٹوٹ پڑے اور کہا کہ یہ نظریہ قرآن کے خلاف ہے اور

---

[1] فتح الباری ۹، ص ۴۴

ذیل کا یہ شعر اس کے حق میں لکھا گیا۔

برئت ممن شری دنیا باخرہ

وقال ان رسول اللہ قد کتب

یعنی میں اس سے برأت اختیار کرتا ہوں جس نے اپنی آخرت کو دنیا کے عوض بیچ دیا اور یہ کہا کہ رسول خدا بالقلم خود لکھتے تھے اس کے بعد ابن حجر لکھتے ہیں ابوذر ہروی ابوالفتاح نیشاپوری اور افریقی علماء کے ایک گروہ نے اس عقیدے کا ساتھ دیا۔

یا حقیقتاً یہ عبارت اس مفہوم کو پیش کرتی ہے کہ جناب ختمی مرتبت کے لکھنے پڑھنے سے متعلق مسئلہ مغربی ایشیا، شمالی افریقہ اور سسلی کے دانشمندوں کے درمیان ایک متفق علیہ مسئلہ تھا ہم اس کا فیصلہ اپنے محترم پڑھنے والوں پر چھوڑتے ہیں۔

جناب خدیجہ کے مددگار اور خزانہ دار

حضرت خدیجہؑ ایک تاجر خاتون تھیں بعض اوقات ان کا مال تجارت دو ہزار اونٹوں پر مشتمل ہوتا تھا جو اطراف کے ملکوں میں فروخت کے لئے بھیجا جاتا تھا سب پر یہ بات واضح ہے کہ جناب ختمی مرتبتؐ قبل اس کے کہ جناب خدیجہ سے عقد فرماتے ان کے معاون اور مددگار تھے آپ مختلف علاقوں میں بھیجے جانے والے مال تجارت کے بڑے قافلوں کی سرپرستی فرمایا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ جناب خدیجہ اتنے اہم کام کی سرپرستی کو ایک ایسے آدمی کے حوالے نہیں کر سکتی تھیں جسے لکھنا پڑھنا اور حساب کرنا نہ آتا ہو۔

جواب:۔ اسلام کی عظیم الشان خاتون حضرت خدیجہ بنت خویلد کی داستان حیات تاریخ، سیرت، رجال، اور تمام معتبر کتابوں میں درج ہے ابن سعدؒ "الطبقات الکبریٰ"[1] ابن عبد ربہ "الاستیعاب" اور ابن حجر نے "الاصابہ" میں صحابی عورتوں کے

---

[1] جلد ۱ ص ۱۵۱،

باب میں آپ پر گفتگو کی ہے۔ سب نے آپ کو بلند نسب، شریف، اور دولتمند خاتون کے عنوان سے جانا ہے لیکن جس دولت اور مال تجارت سے متعلق جن اونٹوں کی تعداد کا ڈاکٹر صاحب نے تذکرہ کیا ہے اس کے لئے ہمیں کوئی سند نہیں ملتی عرب اور بالخصوص مکہ کی اس کیفیت کو سامنے رکھتے ہوئے جو ایک بے آب و گیاہ مقام اور تمام علاقوں سے کٹا ہوا ہے اور جہاں سے سال میں صرف دو مرتبہ معدود چند لوگ سوائے شام اور یمن کہیں نہیں جاتے تھے ایسی ثروت اور ایسی تعداد میں جانوروں کی رکھوالی بعید از قیاس ہے اور ہم اسے ایک افسانہ کہہ سکتے ہیں

بعض افراد نے جناب خدیجہ کی دولت سے متعلق بڑی مبالغہ آمیز گفتگو کی ہے اور آپ کے تجارت سے متعلق اونٹوں کی تعداد کو ۸۰ ہزار تک پہنچایا ہے مرحوم علامہ مجلسی نے جناب خدیجہ کے ساتھ جناب رسالتمآبؐ کے عقد کے باب میں اونٹوں کی مذکورہ تعداد کو اسی کتاب سے نقل کر کے آخر میں اپنا نظریہ بھی پیش کیا ہے۔ کہ مجھے صحیح اسناد نہ ہونے کی وجہ سے مذکورہ کتاب کے مطالب پر بھروسہ نہیں اگرچہ اس کا مولف ایک دانشمند انسان ہے[1]

اس سے ہٹ کر حقیقتاً اس زمانے کی تجارت آج کی تجارت سے مختلف ہے اس زمانے میں رجسٹر، اندراجات، اور محاسبات کی ضرورت نہیں تھی تمام کام نقد صورت میں انجام پاتا تھا اور اس کے لئے کسی لمبے چوڑے حساب، لکھت پڑھت یا ان امور سے متعلق کسی نمائندے کی ضرورت نہیں تھی مکہ میں لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد ۱۷ سے زیادہ نہیں تھی لیکن تاجروں کی تعداد اس سے زیادہ تھی اور تاریخ نے کسی تاجر کے لئے کسی منشی یا دفتری کا ذکر نہیں کیا ہے۔

۸ ختمی مرتبتؐ نے ایک مخصوص ادارہ قائم کر رکھا تھا۔

---

[1] ابوالحسن بکری مولف الانوار و مفتاح السرور والافکار ملاحظہ فرمائیں بحارالانوار جلد ۱۶ ص ۲۲۔

تاریخ نویسوں نے لکھا ہے کہ آنحضرت نے اپنے لئے ایک مخصوص ادارہ یا سکریٹریٹ قائم کی تھی جس میں ملکی اور دفتری امور طے پاتے تھے رسول خداؐ کے اس مخصوص سکریٹریٹ میں ایسے لوگ کام کرتے تھے جو ہمسایہ ممالک کی مختلف زبانوں پر عبور رکھتے تھے اور ان کے ساتھ مکاتبہ کرتے تھے مدینہ میں ان لوگوں کے لئے جو آپ کے دفتر میں کام کرتے تھے یا باہر بھیجے جانے کے لئے منتخب ہوتے تھے یونانی، ایرانی، قبطی، اور حبشی زبانوں کی تعلیم دی جاتی تھی کیا یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جناب ختمی مرتبتؐ ہمسایہ ممالک کے حکمرانوں کو بغیر دیکھے اور بغیر پڑھے روانہ کرتے تھے۔

جواب:۔ پیغمبر اسلام کے بارے میں یہ طرز فکر تاریخی اسناد سے عاری ہونے کے علاوہ مغربی انداز فکر کا حامل ہے جس میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اسلام اور اس کے عالی قدر رہبر کی شان اس میں ہے کہ ان کے لئے عالیشان محل اور رئیسا، سلاطین اور وزراء اعلیٰ کی طرح مخصوص دفاتر ہوں وگرنہ ان کی دعوت و رسالت بیسویں صدی کے لوگوں کی نظر میں بہت حقیر اور معمولی دکھائی دے گی۔ اس طرز تفکر کے حامل افراد کو معلوم ہونا چاہئے کہ اسلام کی عظمت ان مادی فارمیلٹیز میں نہیں اور پیغمبر اسلام کی کیفیت ایک ایسے سربراہ مملکت سے مختلف ہے جو ضرورت وقت اور خاص مادی خواہشات و رجحانات کے تحت وارده خطوط کے جوابات فراہم کرنے کے لئے سیاسی امور سے واقف سیکڑوں ملازمین پر مشتمل ایک مخصوص آفس کی تشکیل کروانے کے لئے ضروری سمجھتا ہو۔

پیغمبر اسلام کے ذریعہ تشکیل پانے والی حکومت کا دعوت اسلام اور تبلیغات سے متعلق طریقہ کار بہت سادہ اور بے کھوٹ تھا۔ جزیرہ نمای عرب کی حالت ایسی نہ تھی کہ وہاں اس طرح کا سکریٹریٹ قائم ہو[1]۔ بلکہ اس وقت کی متمول دنیا

[1] جس میں نبوت کے مخصوص ملازمین منتخب ہوں اور جناب ختمی مرتبتؐ روزانہ ایک مخصوص وقت میں رئیسا کی طرح اپنی کرسی پر تشریف لائیں اور تمام سیاسی اور اداری خطوط کا مطالعہ فرمائیں۔

بھی اس جیسے ساز و سامان کے اعتبار سے آج کی دنیا کے دسویں درجہ میں بھی نہ تھی چہ جائیکہ حجاز جو ایک دور افتادہ اور متروک علاقہ تھا۔

اس طرح کا طرز تفکر مادی ماحول اور موجودہ حالات کا نتیجہ ہے آج کی صنعتی دنیا کی چکا چوند نے صاحبان قلم کی آنکھوں کو اس طرح خیرہ کیا ہے کہ وہ حکومت اور اجرائے قوانین کے اعتبار سے پیغمبر اسلام کے سراپا روحانی اور معنوی مشن کو ایک ایسی مادی حکومت کی صورت دیں جس کو زمانے کے جبر نے اس قسم کے دوائر کی تشکیل پر مجبور کر دیا ہے۔

پیغمبر اسلام نے کئی مرتبہ غیر عرب حکمرانوں کے ساتھ خط و کتابت کی۔

اصولاً دیکھنا یہ ہے کہ اس مخصوص دفتر کی تشکیل اور دنیا کی مختلف زبانوں پر عبور رکھنے والے افراد کی تربیت سے پیغمبر اسلام کا مقصد کیا ہے اگر رسالتمآبؐ موجودہ حکمرانوں کے ساتھ خط و کتابت کرتے اور مسلسل دونوں طرف کے سفراء کی آمد و رفت رہتی تو پھر اس طرح کی کلاس یا دفتر کی ضرورت تھی لیکن اگر ان مکاتبات کی تعداد اتنی کم ہو کہ انگلیوں پر شمار ہو سکے تو ایسی صورت میں اتنے جھمیلوں کے ساتھ اور ایسے ناسازگار حالات میں ایسے افراد کی تربیت غیر ضروری تھی۔

علماء اور سیرۃ نگاروں نے آپ کے خطوط کی جمع آوری میں جو کوششیں کی ہیں وہ ناقابل بیان ہیں۔ اتنی کوششوں کے بعد جو خطوط ملے ہیں ان کی تعداد ۲۵۳ سے زیادہ نہیں جو دعوت اسلام، عقد میثاق و پیمان اور سپردگی املاک جیسے مختلف موضوعات پر مبنی ہیں ان میں ۲۱۶ خطوط بڑی زحمتوں کے ساتھ زیر طباعت آئے ہیں جو اس وقت ہمارے پاس موجود ہیں۔[۱]

---

[۱] گرامی قدر دانشمند جناب آقائے احمدی نے بڑی ریسرچ کے بعد آنحضرتؐ کے خطوط اور ان کی تفصیلات کو "مکاتیب الرسول" کے نام سے اپنی نفیس اور عمدہ کتاب میں یکجا کیا ہے اور ہم دلچسپی رکھنے والوں کو اس کتاب کے مطالعہ کی پیشکش کرتے ہیں۔

آپ کے باقی خطوط کے بارے میں اگرچہ ان کے متن ہمارے پاس نہیں ہیں تاہم خط کے موضوع اور مخاطب سے متعلق جزئی خصوصیات ہمارے پاس ہیں یہ خطوط جزیرہ نمای عرب کے سرداران قبائل کو لکھے گئے ہیں اس میں چند ایسے خطوط بھی ہیں جو سلاطین اور حکمرانوں کے نام ہیں جن کی فہرست درج ذیل ہے

۱۔ حبشہ کا بادشاہ ۲۔ قیصر روم، شہنشاہ ایران کسریٰ، ۴۔ مقوقس، قبطیوں سردار اور حاکم روائے مصر ۵۔ اسقف روم،

یہ وہ حکمراں ہیں جنہیں جناب رسالتمآبؐ نے جزیرہ نمای عرب سے باہر خطوط بھیجے ہیں ان حکمرانوں میں نجاشی وہ بادشاہ ہے جسے آپ نے ایک سے زیادہ مرتبہ خط لکھا ہے اب یہ غور طلب امر ہے کہ اتنی مصروفیات کے ساتھ کیا یہ مناسب ہے کہ ایک ایسی کلاس بھی تشکیل پائے جس میں خارجی زبانوں کی تعلیم عمل میں آئے جبکہ جناب رسالتمآبؐ کو ایسے زبان دانوں کی ضرورت نہ ہونے کے برابر تھی۔

علاوہ ازیں اگر سلاطین اور امراء کے نام جناب ختمی مرتبتؐ کے خطوط غیر عربی زبانوں میں ہوتے تو اس وقت آپ کو ایسے افراد کی تربیت کی اشد ضرورت ہوتی لیکن آپؐ اس بات کے معتقد تھے کہ اپنے تمام خطوط کو عربی زبان میں لکھیں آپ نے رومی یا ایرانی زبان میں کوئی خط نہیں لکھا۔

پھر یہ کہ آپ کے بھیجے جانے والے تمام خطوط کو مخصوص درباری مترجمین ترجمہ کرتے تھے اس طرح سفراء کے لئے بھی غیر ملکی زبان سیکھنا ضروری نہیں تھا وہ خطوط جو جناب رسالتمآبؐ نے کسریٰ یا قیصر کو تحریر فرمائے تھے انہی کے حکم سے مخصوص مترجمین نے ان کا ترجمہ کیا تھا۔[۱]

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ باہر بھیجے جانے والے سفراء روانہ ہونے والے آخری دن تک عربی کے علاوہ کسی اور زبان سے واقف نہ تھے اور اگر تاریخوں میں

---

[۱] دیکھئے سیرہ حلبی ج ۳، ص ۲۷۵، کنزالعمال ص ۲۴۶، طبقات کبریٰ ج ۱ ص ۲۵۹ وغیرہ۔

اس سے ہٹ کر کوئی اور بات نظر آتی ہے تو اس کا سرچشمہ طبقات ابن سعد ہے اور ہم اس کی تحریر کو مختصر طور پر اپنے معزز پڑھنے والوں کی خدمت میں پیش کرتے ہیں اور آپ ملاحظہ کریں گے کہ غیر ملکی زبانوں سے ان سفراء کی آشنائی اگر درست مان لیا جائے تو الہامی تھی اور تعلیم و تعلم سے اس کا کوئی واسطہ نہیں تھا۔

سفراء کا تعین پیشگی لائحہ عمل کے تحت نہیں تھا

صلح حدیبیہ کے بعد عزیز قریش جنوب کی طرف سے مطمئن ہو گئے ایک دن آپ نے اچانک نماز صبح کے بعد اپنے اصحاب میں سے ایک گروہ کا انتخاب کیا اور ان میں سے ہر ایک کو یہ ذمہ داری سونپی کہ مختلف تعین شدہ مقامات پر جائیں اور دعوت اسلام پر مبنی خطوط کو اپنے ساتھ لے جائیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ حضرت عیسیٰ کے سفیروں کی طرح نہ بنیں۔ لوگوں نے پوچھا وہ گروہ کیسے تھے؟ آپ نے فرمایا ان کا راستہ اور ان کی منزل دور تھی اور انہوں نے اس ذمہ داری کو ایک بوجھ محسوس کیا۔ حضرت عیسیٰ نے ان کی اس بے رغبتی کو خداوند عالم کے حضور پیش کیا اچانک سفراء کا وہ گروہ عنایات الٰہی کے زیر اثر ان علاقوں کی زبانوں سے ملہم ہوا جہاں کے لئے انہیں معین کیا گیا تھا۔ اس کے بعد ابن سعد اس جملے کا اضافہ کرتے ہیں۔ فاصبح کل رجل یتکلم بلسان القوم الذین بعثہ الیھم۔ یعنی جناب رسالتمآب کے سفراء بھی ان قوموں کی زبانوں سے ملہم ہوئے جن کی طرف انہیں بھیجا گیا تھا۔[۱]

مذکورہ مطالب کی رو سے اس قسم کی کلاسیں اور خصوصی دفتر کی گفتگو بے بنیاد ہے

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام جلد ۴ ص ۲۷۹، طبقات کبریٰ ج ۱ ص ۲۵۸، سیرہ حلبی ج ۳ ص ۲۷۲، ان مقامی زبانوں سے سفراء کا ملہم ہونا جہاں انہیں بھیجا جاتا تھا ناممکن اور محال نہیں لیکن یہ بات بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے۔

اور مختصر طور پر ہم پھر اس کی تکرار کرتے ہیں ۔

۱ پہلے تو اس کی کوئی تاریخی سند نہیں ہے اور پھر ان اسناد میں بھی وہ مطالب برآمد نہیں ہوئے جنہیں ڈاکٹر صاحب نے پیش کیا ہے ہم نے اس سلسلے میں بہت سے اسناد سے رجوع کیا لیکن ہمیں کوئی صحیح نہیں لگی۔

۲ سفراء کا تعین پیشگی لائحہ عمل کے تحت نہیں تھا کہ ان کے لئے زبان سیکھنے کی کلاس کی تشکیل پاتی۔

۳ ابن سعد نے طبقات میں دعویٰ کیا ہے کہ غیر ملکی اقوام کی زبانیں ان پر الہام ہوئی ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے نتیجہ پر ایک نظر

ڈاکٹر صاحب زبان سیکھنے کی کلاس اور مخصوص دفتر کی تشکیل و تاسیس کو پیش کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کیا یہ بات مانی جاسکتی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ اپنے ہمسایہ ممالک کے حکمرانوں کو خط بھیجیں مگر خود اسے مطالعہ نہ کریں۔

لیکن اگر پیغمبر اسلام کا اپنے مسلمانوں کے درمیان جو ہر لمحہ اپنے جان و مال کو آپ پر نچھاور کرتے تھے کوئی رازدار یا محرم اسرار نہ ہوتا جس پر آپ بھروسہ کرتے تو پھر یہ نتیجہ کسی حد تک استدلال کا رنگ اختیار کرتا۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے آپ اپنے دوستوں اور ساتھیوں پر اعتماد کرتے تھے اور جانتے تھے کہ وہ جو کچھ لکھوا رہے ہیں اسے بغیر کسی کمی و بیشی کے لکھا جا رہا ہے۔

اس استدلال سے متعلق جواب کے خاتمہ پر ہم دو باتوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔

الف: "الاصابہ" میں زید بن ثابت کے حالات میں آیا ہے کہ سریانی زبان میں پیغمبرؐ کو بھیجے جانے والے خطوط کے ترجمے کے لئے جناب رسالتمآبؐ نے "زید" کو یہ حکم

دیا تھا کہ وہ سریانی زبان کی تعلیم حاصل کریں۔

ب: وحی اور غیر وحی کو لکھنے والے جناب رسالتمآبؐ کے کاتبین کے نام درج ذیل ہیں۔

۱۔ جناب امیرالمومنین امام المتقین حضرت علی علیہ السلام۔ آپ وحی قرارداویں اور صلحنامے تحریر فرماتے تھے۔

۲۔ ابی بن کعب انصاری خزرجی وہ پہلی ہستی جس نے رسول اسلامؐ کے مدینے پہنچنے پر سب سے پہلے وحی الہی کو لکھا۔

۳ زید بن ثابت انصاری خزرجی، وحی اور ملوک کو لکھے جانے والے بعض خطوط کے محرر تھے۔

۴ عبداللہ بن ارقم، اسناد اور سرداران قبائل کو لکھے جانے والے بعض خطوط آپ کے ہاتھ سے تحریر ہوتے۔

۵ علاء بن عقبہ مختلف دینی اور غیر دینی اسناد آپ نے تحریر کئے۔

۶ زبیر بن عوام آپ زکوٰۃ سے متعلق اسناد کے لکھنے والے تھے۔

۷ جہم بن الصلت آپ بھی حضرت زبیر کی طرح صدقات سے متعلق اسناد کے محرر تھے۔

۸ خالد بن سعید، جناب رسالتمآبؐ کے بھی بعض خطوط آپ کے ذریعہ تحریر پاتے تھے۔

یہ ہیں وہ مشہور ہستیاں جنہوں نے وحی اور غیر وحی کی عبارتوں کو لکھا تاریخ نے ان کے علاوہ بھی اور ہستیوں کا تذکرہ کیا ہے مگر ہم اختصار کے پیش نظر ان کے نام اور ذمہ داری سے متعلق امور کی تشریح سے صرف نظر کرتے ہیں ہمارے محترم قارئین مذکورہ مطالب کے اسناد سے باخبر ہونے کے لئے کتب رجال کا مطالعہ فرمائیں۔ اوپر کے مطالب ان کی شرح حال میں مذکور ہیں۔

کیا دوسرے سوال کے جواب کا کوئی اور طریقہ بھی ہے۔

(علت سے قطع نظر) بعثت کے بعد آنحضرت کے لکھنے پڑھنے سے متعلق ڈاکٹر طہٰ صاحب کے دلائل کافی دکھائی نہیں دیتے خاص طور پر اس صورت حال میں جہاں انہوں نے آپ کی آشنائی کو عام طرز تعلیم کا سبب جانا ہے

کیا مذکورہ سوال کا کسی اور صورت سے جواب دیا جا سکتا ہے؟ نیچے گنتی کے تحت پیش کئے جانے والے دلائل کو سامنے رکھکر یہ اطمینان حاصل ہو سکتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے مقام نبوت کو پہنچنے کے بعد عام طرز تعلیم سے ہٹ کر بطریق الہام لکھنے پڑھنے پر قدرت حاصل کی لیکن رہا یہ سوال کہ کیا آپ نے کبھی اپنی اس قدرت سے استفادہ کیا یا نہیں اس کا تعلق تیسرے سوال سے ہے جس پر ہم بعد میں تفصیلاً گفتگو کریں گے۔

"کوہ حرا" میں نزول وحی کی کیفیت

پہلی وحی کے بارے میں سنی شیعہ محدثین نے جو روایتیں نقل کی ہیں[۱] اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس دن جناب ختمی مرتبتؐ کی نظروں کے سامنے سے حجاب اس طرح اٹھ گئے کہ آپؐ نے جبرئیل کے لائے ہوئے لوح کو بڑی کامیابی سے پڑھا۔

یقیناً وہ کوئی مادی لوح نہیں تھی بلکہ اس کا تعلق ایک طرح کے مجردی لوح سے تھا جس میں نقوش وخطوط کو منعکس کیا گیا تھا کیا اس طرح کے نقوش وخطوط کو پڑھنے والے میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ بشری الواح کے خطوط اور عام مکتوبات کو پڑھ سکے۔

جناب ختمی مرتبتؐ عربی اور غیر عربی زبانوں پر دسترس رکھتے تھے۔

چونکہ ختمی مرتبت تمام انسانیت کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور آپ کو

---

[۱] صحیح بخاری ا ص ۳۔ سیرہ ابن ہشام ج ا ص ۲۳۶-۲۳۷ بحار ج ۱۸ ص ۱۹۶

کالے، گورے، سرخ زرد، عرب و عجم اور دنیا کی تمام نسلوں اور قوموں سے رابطہ رکھنا تھا لہٰذا اس اعتبار سے آپ تصرف یہ کہ عرب کے مختلف لہجوں سے واقف تھے بلکہ آپ دور دراز سے آنے والے صحرائی عربوں کا بھی جواب دیتے تھے جن کی زبان کسی صحابی کی سمجھ میں نہیں آتی پھر یہی نہیں بلکہ آپ خارجی زبانوں سے بھی کماحقہ واقف تھے۔ اور یہ بات تمام حاضرین کی تعجب کا باعث تھی یہاں پر ہم دو واقعات بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔

ایک دن چند آدمیوں پر مشتمل ایک گروہ مسجد نبوی میں داخل ہوا اور آپ کو نہیں پہچانا ان میں سے ایک نے سوال کیا۔

من البون ابسران ، یہ جملہ اس نے "ایکم الرسول اللہ" کے بجائے استعمال کیا یعنی رسول خدا کون ہے ؟ حاضرین کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا۔ جناب رسول خدا نے اس کی زبان میں "امکد" اور "کہا اور یہ جملہ آپ نے "ھلم ھنا" کی جگہ استعمال کیا جس کا مفہوم "ادھر آؤ" ہے۔[1]

ایک دفعہ جناب بلال آپؐ کے محضر مبارک میں شرفیاب ہوئے اور آپؐ نے حبشی زبان میں کہا۔

اوہ بیرہ کنکرہ کری کری مندر

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال کے مقصد کا ترجمہ فرمایا۔ حضار حبشی زبان پر آپ کے تسلط سے انگشت بدنداں رہ گئے۔ حضرت حسان نے جناب رسول خدا کے بیان کردہ ترجمہ کو جو آپ کی شان میں کہا گیا تھا ذیل کے شعر میں تبدیل کیا۔

اذا مکارم فی افاقنا ذکرت ؛ وانما بك فینا یضرب المثل[2]

زینی دحلان نے اپنی کتاب "سیرۃ" میں قاری نے شرح "شفا"[3] میں اور عظیم اسلامی

---

[1] سیرہ زینی دحلان ، در حاشیہ سیرہ حلبی ج ۳ ص ۸۹

[2] مجمع البحرین ج جلد ا۔ ص ۱۷۵-۱۹۹-

صاحب قلم قاضی عیاض نے "شفا" میں مکہ اور مدینہ کے لوگوں کے لئے مفہوم نہ رکھنے والے مختلف لہجوں اور نیز غیر ملکی زبانوں پر آنحضرت کے تسلط کو داد سخن دیا ہے دلچسپی رکھنے والے حضرات مذکورہ اسناد سے رجوع کر سکتے ہیں۔

کیا وہ ہستی جس کی نبوت تمام عالم انسانیت پر محیط ہو اس کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ تمام عربی لہجوں کے ساتھ ساتھ بشری خطوط و نقوش سے بھی آشنا ہو ہمارا یہ استدلال اگرچہ ایک خیال سے بڑھ کر نہیں ہے تاہم مختلف زبانوں پر آپ کے تسلط کو دیکھ کر کسی حد تک اس خیال کو درست سمجھا جا سکتا ہے۔

جناب ختمی مرتبت علوم اولین و آخرین پر محیط تھے

علامہ مجلسی نے بحار[1] میں اس جملہ پر تکیہ کیا ہے وہ کہتے ہیں جناب رسول خدا گذشتہ اور آئندہ کے تمام علوم پر محیط تھے پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ نقوش و الواح کو پڑھنے سے قاصر ہوں وہ ہستی جو بحکم الٰہی چاند کے دو ٹکڑے کرنے پر قادر ہو اس کے لئے کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ کاغذ پر تحریر اس کے بس کی بات نہ ہو؟ یہ دلیل بھی گذشتہ دلیل کی طرح ایک گمان پر منحصر ہے یہاں بات قدرت الٰہی کی نہیں خداوند عالم نے آپ کو شق القمر پر قادر کیا وہ اگر آپ کو لکھنے پڑھنے کی تعلیم دینا چاہے تو اس پر قادر ہے لیکن گفتگو یہ ہے کہ کیا اس نے ایسا کچھ کیا یا نہیں؟

آیت قبل بعثت سے متعلق ہے

شیعہ ادب، فقہ اور تفسیر کے عظیم دانشمند سید مرتضیٰ مرحوم کہتے ہیں۔

جناب رسالتمآب کی لکھنے پڑھنے سے عدم آشنائی کا تعلق ما قبل بعثت سے ہے لیکن بعد بعثت[2] اس بات کا احتمال ہے کہ غیبی معلم نے آپ کو لکھنے پڑھنے کی تعلیم دی

۱۔ بحار ج ۱۶ ص ۱۳۴

ہو اور لکھنے پڑھنے سے ناآشنائی کے باب میں جو آیت آئی ہے اس کا تعلق قبل بعثت سے ہے اور اس میں ذکر شدہ سبب اس مفہوم کو واضح کرتا ہے

وماکنت تتلو من کتاب ولا تخطہ بیمینک اذا لارتاب المبطلون

یعنی (حبیب) تم نے اس سے قبل نہ کوئی کتاب پڑھی اور نہ ہی اپنے ہاتھ سے کچھ لکھا دگرنہ لوگ تمہاری نبوت پر شک کرتے۔

آیت کا آخری ٹکڑا قبل بعثت پر ناظر ہے دگرنہ دور رسالتؐ میں لکھنا پڑھنا باعث شک و تردید نہیں ہوتا۔

سید مرتضیٰ مرحوم کے بیانات کسی درد کا مداوا نہیں کرتے انھوں نے خود اس مسئلے میں توقف اختیار کیا ہے کیونکہ اگر یہ آیت رسالت کے دور سے متعلق نہیں تو آخر کار ہیں جناب ختمی مرتبت میں اس صلاحیت کے اثبات کے لئے کسی محکم دلیل کی ضرورت نہیں ہے اور اب تک پہلی دلیل سے زیادہ محکم کوئی اور دلیل ہمارے ہاتھ نہیں لگی ہے۔

اہل بیت کی روایات

مذکورہ دلائل و بیانات بہت کم ہی انسان کو مطمئن کر سکتے ہیں کہ جناب ختمی مرتبت لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور یہ ساری تمام باتیں حدس و گمان کا ایک سلسلہ ہے جو عقیدہ کی بنیاد کو مستحکم نہیں کر سکتا۔ اور اس لئے عظیم شیعہ صاحب قلم سید مرتضیٰ مرحوم نے اس بارے میں راہ توقف اختیار کیا ہے۔

لیکن اس سلسلے میں کثرت سے ایسی روایات موجود ہیں جو نہ صرف یہ کہ آپ کے لکھنے پڑھنے سے آشنائی کو ثابت کرتی ہیں بلکہ اس بات کی بھی واضح کرتی ہیں کہ آپ نے اپنی اس صلاحیت سے بعض خاص موقعوں پر استفادہ بھی کیا۔ آپ نے خطوط کا مطالعہ بھی کیا اور بعض چیزیں تحریر بھی فرمائیں ان روایات کا تعلق تیسرے سوال سے ہونے کے ناطے ہم اس کی سند، اسناد اور مقدار دلالت پر اپنے فیصلے کو تیسرے سوال کے جواب میں پیش کریں گے۔

اگر یہ بات ثابت ہو کہ جناب ختمی مرتبتؐ کو لکھنے پڑھنے پر قدرت حاصل تھی (البتہ الہام اور غیبی تعلیم کے ذریعہ) تو کیا ہمارے پاس اس بات کے دلائل بھی موجود ہیں کہ آپ نے اس توانائی اور صلاحیت سے کہیں کوئی کام لیا ہو کبھی کوئی خط پڑھا ہو یا کچھ چیزیں لکھی ہوں۔

جواب:۔ یقیناً اس سلسلے میں ایک دو روایتیں کافی نہیں ہوں گی بلکہ حد اطمینان تک پہنچنے کے لئے جو روشن بینی درکار ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ اخبار و روایات کی ایک کثیر مقدار ہمارے پاس موجود ہو اور ہم ان کا اچھی طرح جائزہ لے کر اس پر یقین بھی حاصل کرلیں۔ جناب ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب نے ایسے شواہد و موارد کو پیش کیا ہے جو ان کے نزدیک اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ جناب رسول خداؐ نے بعض مقامات پر لکھنے پڑھنے سے کام لیا ہے۔ اب ہم ان کے دلائل کا جائزہ لیتے ہیں۔

۱۔ جناب ختمی مرتبتؐ حضرت علی علیہ السلام کو ایک خط دیتے ہیں کہ آپ راستے میں اس کا مطالعہ نہ کریں بخاری کتاب العلم میں نقل کرتے ہیں کہ ایک دن جناب ختمی مرتبت نے ایک خفیہ خط اپنے داماد علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو دیا اور خاص طور پر یہ ہدایت کی کہ اسے نہ کھولیں اور مکتوب الیہ کا نام اچھی طرح ذہن نشین کر کے خط اس کے حوالے کریں۔

جواب:۔ ہمیں بڑی کھوج اور جستجو کے بعد بھی بخاری کی کتاب العلم میں یہ بیان شدہ مفہوم دستیاب نہیں ہوا وہاں جو چیز مذکور ہے وہ اوپر نقل شدہ مفہوم سے مختلف ہے ہم بخاری کی اس عبارت کو عیناً نقل کرتے ہیں جو انہوں نے ما یذکر فی المناولہ کے باب میں لکھا ہے۔

کتب لامیر السریہ کتاباً وقال لا تقراہ حتی تبلغ مکانا کذا فلما بلغ ذالک المکان قرأہ علی الناس واخبرھم بامر النبی۔

ترجمہ :۔ جناب رسالت مآبؐ نے اپنے بٹالین کے میجر کو ایک خط لکھ کر دیا اور کہا جب تک اس خاص مقام تک نہ پہنچ جاؤ اسے نہ پڑھنا مذکورہ میجر نے اس معینہ مقام پر پہنچ کر جناب رسالت مآبؐ کے اس خط کو اپنے سپاہیوں کے لئے پڑھا ان دونوں عبارتوں کے مفہوم میں فرق ہے۔

اولاً :۔ مذکو عبارت میں ہرگز یہ نہیں کہا گیا کہ حامل خط جناب علی ابن ابی طالب علیہ السلام تھے۔

ثانیاً :۔ خط کے مخاطب یا مکتوب الیہ کوئی اور نہیں خود میجر تھے اور اسے کسی دوسرے شخص کے لئے نہیں لکھا گیا تھا گویا رسالت مآبؐ نے خاص مصالح کی بنیاد پر یہ نہیں چاہا تھا کہ خود میجر اور اس کے سپاہی قبل از وقت اصل مقصد سے آگاہ ہوں کیونکہ ایسی صورت میں ممکن تھا کہ خود میجر اور اس کے سپاہی قبل از وقت اصل مقصد سے آگاہ ہوں کیونکہ ایسی صورت میں ممکن تھا بعض منافقین کو اس کی خبر ہو اور وہ میجر کو مخالف سمت پھیر دیں اور اسے آرمی سیکرٹ کہا جاتا ہے جس سے جناب ختمی مرتبت اکثر جنگوں میں کام لیتے تھے۔

نقل میں ان دو اختلافات کی رو سے ڈاکٹر صاحب کا یہ نتیجہ اخذ کرنا درست نہیں ہوگا کہ جب جناب رسالتمآب اس طرح کا خفیہ خط بھیجیں کہ حامل خط اور پیغمبر کا معتمد شخص بھی اسے نہ پڑھ سکے تو پھر ختمی مرتبت کے علاوہ کون اسے لکھ سکتا ہے۔

اس کے علاوہ بخاری کی عبارت لفظ "کتب" اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ جناب ختمی مرتبت نے بقلم خود اسے لکھا ہو کیونکہ آپ کے بارے میں یہ عبارت اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے مجازی ہوگی کہ آپ کے ۹۰ فیصد خطوط متعین لکھنے والوں کے ہاتھوں سے زینت قرطاس بنتے تھے یعنی لکھنے والوں نے آپ کے حکم سے انہیں لکھا جیسا کہ عام طور پر کہا جاتا ہے کتب الملک، کتب الامیر، یا کتب لغیر یا مرکہ۔

مختصر یہ کہ یہ خط کوئی ایسا پر اسرار خط نہیں تھا کہ جس کے لکھنے کا حکم پیغمبر نہ

دے سکیں۔ بلکہ ایک سادہ سی بات تھی جسے فوجی پایہ کے لوگوں کو شہر سے باہر جاکر سمجھنا تھا اس بنا پر جناب ختمی مرتبتؐ اپنے کسی قریبی معتمد کو اس کے لکھنے کا حکم دے سکتے تھے۔

اس واقعہ کو سیرت نگاروں نے کسطرح نقل کیا ہے

جس چیز کو بخاری نے بطور اجمال لکھا ہے۔ اسے اسلام کے عظیم سیرت نگار ابن ہشام نے اپنی کتاب میں بڑی وضاحت سے نقل کیا ہے وہ لکھتے ہیں جناب ختمی مرتبتؐ نے ماہ رجب میں عبداللہ بن جحش اسدی کو ۸ مہاجرین کی سرپرستی میں ایک منزل کی سمت روانہ کیا اور انہیں ایک خط دیکر کہا کہ دو دن چلنے کے بعد اس خط کو کھول کر پڑھیں اور اس کے مطابق عمل کریں اور اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو مجبور نہ کریں انہوں نے دو دن چلنے کے بعد خط کھول کر پڑھا اس میں لکھا تھا کہ مکہ اور طائف کے درمیان واقع نخلہ کی سرزمین پر وارد ہوں اور قریش کے کاموں پر نظر رکھیں اور اس کی رپورٹ مدینہ روانہ کریں عبداللہ بن جحش نے خط کے مطابق اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں تم میں سے کسی کو اس کام پر نخلہ جانے پر مجبور نہیں کرتا میں ذاتی طور پر خود نخلہ جا رہا ہوں جس کو چلنا ہو میرے ساتھ چلے یہ کہہ کر عبداللہ بن جحش عازم سفر ہوئے ان کے تمام ساتھیوں نے ان کا ساتھ دیا اور کسی نے مخالفت نہیں کی[۱]۔

اس واقعہ کو نہ صرف ہشام نے بلکہ دوسرے لکھنے والوں نے بھی اسی طرح سے نقل کیا ہے اس نقل کی رو سے ڈاکٹر صاحب کے جملہ استنباطات بے بنیاد قرار پاتے ہیں اس لئے کہ کوئی بعید نہیں کہ اس خط کو حضرت علی علیہ السلام یا جناب رسالتمآبؐ کے دیگر قابل اطمینان ساتھیوں نے لکھا ہو۔

---

[۱] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۶۰۱

پیغمبر اکرمؐ نے حدیبیہ کے صلحنامہ کو اپنے ہاتھ سے لکھا۔

بخاری اور ابن ہشام کے مطابق حضرت علی علیہ السلام نے حدیبیہ کا صلحنامہ اس طرح لکھا۔ یہ وہ عہد نامہ ہے جس پر محمد رسول اللہؐ اور سہیل بن عمرو نے اتفاق کیا اس پر سہیل نے اعتراض کیا کہ آپ محمد بن عبداللہ ہیں آپ کی رسالت ہمارے لئے قابل قبول نہیں ہے اور پھر علیؑ سے کہا کہ وہ رسول اللہ کے جملے کو حذف کریں حضرت علیؑ نے کہا کہ خدا کی قسم میں یہ کام نہیں کروں گا۔ اس پر جناب رسولِ خداؐ نے عہد نامہ لے کر خود اپنے ہاتھ سے محمد بن عبداللہ لکھا۔

جواب:۔ حدیبیہ کا واقعہ اسلامی تاریخ میں مختلف صورتوں سے نقل ہوا ہے اور اسی اختلاف کی رو سے اس کی سند قطعی یا اطمینان بخش نہیں ہو سکتی۔

شیعہ سیرت نگاروں کے ایک گروہ نے اس واقعہ کو اس طرح لکھا ہے جب جناب امیرالمومنینؑ علیہ السلام نے صلحنامہ مرتب کیا اور ختمی مرتبت کے نام کو رسول اللہ کے لقب کے ساتھ لکھا تو قریش کے نمائندے نے کہا۔ آپ محمد بن عبداللہ ہیں اور آپؐ کی رسالت ہمارے لئے قابل قبول نہیں اس لئے نام کے ساتھ لقب کو مٹایا جائے۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ سے کہا کہ وہ نام کے ساتھ وابستہ لقب کو مٹا دیں۔ حضرت علی علیہ السلام نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اس کا یارا نہیں آنحضرت نے حضرت علیؑ سے فرمایا تم میری انگلی اس لفظ پر رکھ دو میں خود اسے مٹا دوں گا حضرت علیؑ نے آپؐ کی انگلی اس لفظ پر رکھ دی اور جناب رسالتمآبؐ نے خود رسول اللہ کے لقب کو مٹا دیا اور حضرت علی علیہ السلام نے جناب رسالتمآب کے عہد نامہ کو اسی طرح لکھا کہ جس طرح قریش کے نمائندے کی خواہش تھی۔[۲]

۱۔ روح ابن ہشام رسالتمآب سے منسوب اس نسبت سے بیزار ہے اس لئے بڑی وضاحت سے لکھا ہے کہ پوری تحریر حضرت علیؑ نے اپنے ہاتھوں سے لکھی ملاحظہ فرمائیں جلد ۲ ص ۳۱۷)

۲ ارشاد مفید ص ۶۱، اعلام الوری ص ۱۰۶، بحار ج ۲۰ ص ۳۷۳، سیرۃ ابن ہشام ج ۲،

بخاریؒ اور ابن اثیرؒ نے اس موضوع کو اس طرح نقل کیا ہے۔

جب قریش کے نمائندے کا دباؤ بڑھا تو جناب رسالتمآبؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو لفظ رسول اللہ مٹانے کا حکم دیا حضرت علی علیہ السلام نے آپ کی رسالت کی عظمت کے احترام میں اس لقب کو مٹانے سے اجتناب کیا رسول خدا نے عہدنامہ کو خود اپنے ہاتھ میں لیا اور لکھنے سے واقفیت نہ رکھنے کے باوجود یہ جملہ تحریر فرمایا۔ ھذا ما قاضی محمد بن عبداللہ۔

ہمارا نظریہ

اس سلسلے میں ہمارا نظریہ یہ ہے کہ بخاری اور اس کی پیروی میں ابن اثیر نے واقعہ کے اس حصے کو نقل کرنے میں غلطی کی ہے۔

اولاً یہ کہ بخاری اور ابن اثیر کی روایت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جناب ختمی مرتبتؐ نے اپنا نام اور اپنا لقب دونوں ہی مٹا دیا اور اپنے ہاتھ سے اپنا نام محمد بن عبداللہ لکھا حالانکہ جھگڑا آپ کے نام کا نہیں آپ کے لقب کا تھا اور لقب مٹا کر عبداللہ کے نام کا اضافہ ان کے لئے کافی تھا اور اس بات کی ضرورت نہیں تھی کہ پیغمبر نام اور لقب دونوں مٹا کر پھر اپنا نام لوح پر لکھیں۔

بخاری وغیرہ کی تحریر اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ وہاں صرف ایک لوح کا دخل رہا ہے اور اسی ایک لوح پر جملہ معترضہ کو مٹا کر دوسرا جملہ لکھا گیا اور یہ ہے اس کی تشریح۔

تاریخ اور سیرت نگاروں کی تحریر

خط "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" سے شروع ہوا بس اسی لمحے اس پر اعتراض ہوا اور

ص ۳۱، تاریخ یعقوبی ج ۲، ص ۴۵، صحیح مسلم ج ۵ ص ۱۷۵، روضہ کافی ص ۳۲۶، بخاری جزء سوم کتاب صلح ص ۱۹۵، سنہ جزء ۵، باب عمرہ قضاص ۱۳۱ سنہ کامل ج ۲، ص ۱۳۸۔

قریش کے نمائندے نے کہا۔

وما اعراف الرحمٰن یعنی ہمیں رحمٰن سے کوئی شناسائی نہیں اور تمہیں ہماری رسم کے مطابق بسمک اللھم لکھنا ہوگا حضرت علی علیہ السلام نے رسول خدا کے حکم کے مطابق نمائندہ قریش کے پسندیدہ لفظ کو لکھا۔ دوسرے مرحلے میں جب حضرت علی نے هذا ما اصطلح محمد رسول اللہ وسھیل بن عمرو کا جملہ لکھا تو رسالت کے لقب پر پھر دوسری مرتبہ اعتراض ہوا اور یہاں بھی اس لفظ کو مٹانے کا فیصلہ ہوا ایسی صورت میں اس کی کوئی وجہ نہیں کہ مٹانے والا (خواہ وہ کوئی ہو) محمد اور آپؐ کے لقب دونوں کو مٹا دے اور پھر دوبارہ اپنا نام لکھے خاص طور پر جبکہ اس سے ماقبل کا لفظ "ھذا ما اصطلح" اسی جگہ برقرار رہے کیونکہ اس جملے سے کوئی مخالفت نہیں تھی اس لئے یہ ماقبل کا جملہ اسی طرح برقرار رہا بالکل یہی کیفیت آپ کے نام کی بھی نام سے کوئی جھگڑا نہیں تھا پھر نام کو مٹانا اور "ما اصطلح" کے جملے کو برقرار رکھنا کوئی قابل فہم بات نہیں ہے اسی اعتبار اور شواہد کی رو سے بخاری کی وہ روایت جسے ڈاکٹر صاحب نے سند کے طور پر پیش کیا غیر معتبر ہے۔

ثانیاً، خود بخاری نے اس سرگذشت کو مختلف صورتوں میں نقل کیا ہے "عمرۃ القضاء" کے باب میں مضمون کی یہی ترتیب ہے جو اوپر بیان ہو چکی ہے لیکن کتاب صلح میں وہ لکھتے ہیں۔

جب قریش کے نمائندہ کا دباؤ بڑھا تو جناب رسالتمآبؐ نے اپنے انشاپرداز کو حکم دیا کہ قریش کے نمائندے کے مطابق لکھے؛[1]

کیا خود مولف کی نظر میں اس اختلافات کے باوجود پھر بھی یہ گفتگو قابل اعتماد ہے۔

ثالثاً۔ بخاری اور ابن اثیر یہ لکھتے ہوئے کہ جناب ختمی مرتبتؐ نے خود عہد

---

[1] صحیح بخاری، جزو سوم ص ۱۹۵

نامہ کو اپنے ہاتھ میں لے کر اپنا اور اپنے والد بزرگوار کا نام اس میں درج کیا یہ تصریح کرتے ہیں کہ

لیس یحسن الکتاب" یعنی باوجود اس کے کہ وہ لکھنے سے واقف نہ تھے انہوں نے اپنا اور اپنے والد بزرگوار کا نام تحریر فرمایا کیا بخاری کا یہ جملہ واضح طور پر ڈاکٹر صاحب کے نظریہ کی تردید نہیں کرتا؟ انہوں نے کس طرح لفظ کتب پر توجہ کی مگر اس جملہ کو نقل نہیں کیا جو ان کے استدلال کی اساس کو متزلزل کر رہا تھا۔

رابعاً: اپنا اور اپنے والد بزرگوار کا نام لکھنا ڈاکٹر صاحب کے دعوے کی دلیل نہیں بن سکتا کیونکہ ایسے کتنے افراد ہیں جنھوں نے تعلیم حاصل نہیں کی ہے اور جو لکھنے پڑھنے سے واقف نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود اپنا اور اپنے والد کا نام لکھنا جانتے ہیں۔

خامساً: ہم نے بخاری کے بہت سے نسخے دیکھ ڈالے مگر ہمیں کہیں "بیدہ" کا لفظ دکھائی نہیں دیا جس کے معنی اپنے ہاتھ سے لکھنے کے ہیں صرف ہم نے ہی نہیں بلکہ مشہور سیرت نگار "حلبی" کا کہنا بھی یہی ہے کہ بخاری کے کسی نسخے میں "بیدہ" کا لفظ استعمال نہیں ہوا ہے۔ اس رو سے کوئی بعید نہیں کہ کتب سے مراد حکم کتابت ہو کہ جہاں پیغمبر نے نمائندۂ قریش کے نظریہ کے مطابق لکھنے کا حکم صادر کیا۔ اگرچہ یہ تاویل بعید ہے۔

آخر میں ہم یہ بھی کہتے چلیں کہ ڈاکٹر صاحب نے ناحق بخاری کے نقل شدہ مفہوم کو ابن ہشام سے بھی نسبت دی ہے حالانکہ ابن ہشام کہتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے جناب رسالتمآب کے حکم سے خود لکھا ملاحظہ فرمائیں ج ۲، ص ۳۱۷۔

پیغمبر اسلام کچھ لوگوں کو خوشنویسی کی تعلیم دیتے ہیں

ایک محقق نے "التراتیب الاداریہ" میں قاضی عیاض کی کتاب "شفا" کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ جناب رسالتمآب کے کاتبوں میں سے جیسے زید بن ثابت، جابر بن عبداللہ اور معاویہ

سمیت بچے ادیبوں کو خوش نویسی کی تعلیم دیتے تھے۔

جواب:۔ مذکورہ گفتگو کی تفصیل یوں ہے۔

۱ جناب رسالتمآبؐ نے حضرت زید بن انس سے کہا لکھتے وقت اس بات کا خیال رکھو کہ سین کا لفظ طولانی نہ ہو۔

۲ جناب ختمی مرتبتؐ نے معاویہ سے فرمایا تھوڑا سا سوت یا ریشمی کپڑا کسی چیز کی دوات میں رکھو قلم کو بیچ سے شگاف اور اس کا سرا اس طرح بناؤ کہ سیدھی طرف کا شگاف الٹی طرف سے بڑھتا ہوا ہو۔ حرف "با" کو کھینچ کر لکھو، رحمٰن میں مد لگاؤ اور رحیم کو بہتر طریقے سے لکھو۔

۳۔ دیلمی نے حضرت انس سے نقل کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا "بسمله" لکھتے وقت رحمٰن پر مد لگاؤ[۱] لیکن یہی قاضی عیاض ناقل ہیں کہ جناب ختمی مرتبتؐ "امّی" تھے اور لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے آپ کی تمام اطلاعات کا تعلق غیبی الہام سے تھا۔ قاضی صاحب نے اس روایت کے لیے کسی سند کا تذکرہ نہیں کیا ہے بلکہ اسے بطور مرسل اور بلا سند نقل کیا ہے اور ایک ایسے موضوع کے بارے میں بلا سند روایت حتمی نہیں ہوتی تاہم بر فرض صحت ڈاکٹر صاحب کے مقصد کو پورا نہیں کرتی کیونکہ ہرگز بعید نہیں کہ جناب ختمی مرتبتؐ نے بعد بعثت از روی الہام و کرامت اقسام خط اور اس سے متعلق فن میں مکمل کمال حاصل کر لیا ہو۔

صفہ میں تعلیمی جماعتیں

بخاری "کتاب العلم" میں نقل کرتے ہیں کہ جناب رسول خداؐ کے پاس مسجد سے متصل "صفہ" نامی ایک درسگاہ تھی اور آپ ذاتی طور پر تعلیم و تربیت سے متعلق ہو سا اور ان طالب کی نگرانی کر سکتے تھے جنہیں وہاں تعلیم دی جاتی تھی کبھی کبھی آپ خود کلاسیں لیا کرتے تھے

[۱] قاضی عیاض بن موسیٰ بن عیاض کی "شفا" اور شرح ملا علی قاری ج ۱، ص ۷۲۶–۷۲۷

اور اس مدرسہ کے فارغ التحصیل افراد کو اطراف کے علاقوں میں بھیجا جاتا تھا۔[۱]

جواب: مسجد سے متصل اس کھلی جگہ کو صفہ کہا جاتا تھا جس پر ایک سائبان پڑی رہتی تھی اور یہ جگہ ان فقراء کے لئے بنائی گئی تھی جن کا کوئی گھر بار نہیں تھا لیکن ان کے لئے درسگاہ کی تاسیس کا مقصد انہیں اسلامی مبادیات اخلاقی وظائف، اور شرعی فروع سے آگاہ کرنا تھا اور کہیں کسی تاریخ میں یہ بات نہیں لکھی ہے کہ صفہ کی کلاسیں لکھنے پڑھنے کی تعلیم کے متعلق تھیں اور جناب ختمی مرتبتؐ خاص مواقع پر انہیں لکھنا پڑھنا سکھاتے تھے۔

رسول خداؐ نے معاویہ سے خط لیکر اس کا مطالعہ فرمایا

ابن حجر ناقل ہیں کہ ایک مرتبہ جناب ختمی مرتبتؐ نے معاویہ کو کچھ مطالب املا کرائے اور اس کے بعد خود انہیں لیکر مطالعہ فرمایا اور کہا کہ جو کچھ میں نے لکھوایا ہے وہ پوری صحت کے ساتھ قید تحریر میں آیا ہے۔

مذکورہ مفہوم کو ابن حجر عسقلانی نے "فتح الباری"[۲] میں نقل کیا ہے۔

لیکن معاویہ اور اس کا باپ دونوں فتح مکہ کے بعد ایمان لائے اور جناب رسالتمآبؐ نے ان دونوں کے ایمان سے ۲۱ سال پہلے لوگوں کے درمیان زندگی کی ہے پھر کیونکہ کسی اور نے ایسی بات نقل نہیں کی ہے میرا خیال ہے کہ معاویہ کے چاہنے والوں اور ان لوگوں نے جو اسے کاتبانِ وحی کے کھاتے میں لانا چاہتے ہیں معاویہ کی بلندی مقام کے لئے اس روایت کا وضع کیا ہے حالانکہ اسے چند گنے چنے مہینوں سے زیادہ جناب ختمی مرتبتؐ کے لئے کوئی تحریر رقم نہیں کی ہے۔

---

[۱] ملاحظہ فرمائیں ڈاکٹر صاحب کی کتاب "کیا پیغمبر اسلام جاہل تھے؟" ص ۱۳۔ تعجب خیز بات یہ ہے کہ مذکورہ گفتگو بخاری کی کتاب العلم میں کہیں نہیں ہے۔ ملاحظہ فرمائیں ج ۱ ص ۱۷۰ تا ۱۷۴۔ [۲] ج ۹ ص ۴۴۔

ابن حجر بھی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے۔

یہ اور اس جیسی حدیثیں "ضعیف احادیث" میں شمار ہوتی ہیں اور یہ علماء اسلام اور مشاہیر کے نزدیک اعتبار سے ساقط ہے۔

کیا اس مسئلہ کے جواب کا کوئی اور رخ بھی ہے

اس سوال کے جواب کا دوسرا رخ اسلامی تواریخ، تتبع روایات اور وہ نقل شدہ اسناد ہیں جو مطالعہ کے دوران ہماری نظروں سے گزرے لیکن یہ بھی ناقص و تضاد سے خالی نہیں۔

اب ہم بطور اختصار انہیں اپنے پڑھنے والوں کی خدمت میں پیش کرتے ہیں ان روایات کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم

ان میں سے کچھ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آنحضرت پڑھتے تھے مگر آپ نے لکھنے پر توجہ نہیں کی جیسے:

۱ "صدوق" نے علل الشرائع[۱] میں سند مرسل[۲] کے ساتھ امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے پیغمبر پر خداوند عالم کے احسانات میں سے ایک یہ احسان ہے کہ آپ تحریروں کا مطالعہ فرماتے تھے مگر خود کچھ نہیں لکھتے تھے جب ابو سفیان نے مکہ سے احد کا رخ کیا تو حضرت عباس نے ایک خط کے ذریعہ اس کی اطلاع جناب رسالتمآبؐ کو پہنچائی خط اس وقت آپ کو پہنچا جب آپؐ مدینہ کے ایک باغ میں تھے آپؐ نے وہ خط پڑھا اور اس

۱؎ ص ۵۹، ۲؎ حدیث مرسل وہ حدیث ہے جس کے بعض راوی پہچانے نہ جائیں اور ایسی صورت میں یہ حدیث ناقابل اعتبار ہوتی ہے اور مذکورہ کتاب میں اس حدیث کی سند یوں ہے "حدثنی ابی عن سعد عن معاویہ بن حکیم، عن بزنطی، عن بعض اصحابہ ذکرہ عن ابی عبداللہ ع"۔

کی تفصیلات اصحاب کو بتائیں اور سب کو شہر چلنے کا حکم دیا۔ شہر پہنچ کر آپؐ نے تمام لوگوں کو خط کے مضمون سے آگاہ کیا۔[۱]

البتہ یہ حدیث مرسل ہے اور اس میں بعض راویوں کی شناخت نہیں ہے لیکن اس کا مضمون بعد میں آنے والی صحیح الاسناد روایتوں کے مطابق ہے۔

مذکورہ کتاب کے اس صفحہ پر صدوق نے ہشام بن سالم کے حوالے سے صحیح اسناد کے ساتھ امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ جناب ختمی مرتبتؐ خطوط کا مطالعہ فرماتے تھے لیکن کچھ لکھتے نہیں تھے۔

۳ اسی حدیث کو اس عبارت کے ساتھ "حسن صیقل" نے نقل کیا ہے کان النبی امیا لا یکتب ویقرء الکتاب۔ جناب ختمی مرتبت نے کسی سے درس نہیں لیا تھا اور نہ ہی کچھ لکھتے تھے لیکن تحریر پڑھا کرتے تھے یہ حدیث باعتبار سند درست ہے اس میں حسن صیقل کا صرف ایک نام ایسا ہے جس کی ہویت مجہول ہے اور ان تینوں روایتوں کا تعلق دوران بعثت سے معلوم ہوتا ہے ورنہ دوسری صورت میں مخالف قرآن اور ناقابل اعتبار ہوگی اور یہ بات بھی جاننا ضروری ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے اس حدیث میں لفظ "امی" کو "ناخواندہ" کے مفہوم میں لیا ہے۔ اور اسے "ام القریٰ" سے نسبت نہیں دی ہے جو کہ مکہ ہے۔

دوسری قسم

روایات کی دوسری قسم وہ ہے جو یہ بتاتی ہے کہ آنحضرت لکھنا بھی جانتے تھے اور پڑھنا بھی اور اب ہم اس قسم کی روایات پر توجہ دینا چاہتے ہیں۔

۱۔ جعفر بن محمد الصوفی، امام محمد تقی علیہ السلام سے پوچھتے کہ پیغمبر کو "امی" کیوں کہا جاتا ہے آپ نے فرمایا لوگ (اہل سنت) اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟ میں نے عرض

[۱] بحار ج ۲۰ ص ۱۱۱، غزوہ احد

کی "امّی" اس کو کہتے ہیں جو لکھنا نہیں جانتا فرمایا جھوٹ ہے خداوند عالم نے آپؐ کو معلم کہا ہے۔ آپؐ جس چیز کو جانتے نہ ہوں اس کی تعلیم کیونکر دے سکتے ہیں جناب رسالتمآبؐ ستر زبانیں بولتے بھی تھے اور لکھتے بھی آپؐ کو امّی اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ اہل مکہ سے تھے اور مکہ کو "ام القریٰ" کہا گیا ہے خداوند عالم فرماتا ہے۔ لتنذر ام القریٰ و من حولھا۔[1]

یہ حدیث اگرچہ اپنے مشائخ کے ساتھ نقل ہوئی ہے تاہم بعض اعتبار سے مشکوک ہے اور اسے ہرگز امام معصوم سے نسبت نہیں دی جاسکتی۔

اولاً:۔ راوی حدیث جعفر بن محمد الصوفی ہے اور کتب رجال میں اس کی کوئی تعریف درج نہیں ہے علمار رجال کی اصطلاح میں اس کا شمار "مجاہیل و ناشناختہ" افراد میں ہوتا ہے اور ایسی روایت جس کے راوی کی توثیق نہ ہو حجت "نہیں ہوتی۔

ثانیاً:۔ "ام القریٰ" کی نسبت سے امّی کے معنی پیدا کرنا عربی کے اس مسلم قواعد کے خلاف ہے جو اساتید علمار ادب اور نحو سے ہم تک پہنچی ہے۔

ہاں اگر اگر یہ حدیث ہمیں امام معصوم سے ملتی تو ہم علمار ادب کی باتوں کو غلط قرار دیتے اس لئے کہ عرب کے قواعد کو قرآن و سنت پر وارد ہونا چاہیئے نہ اس کے برعکس لیکن ابھی تو اس حدیث کی "حجیت" ثابت نہیں ہوئی ہے۔

۲۔ پیغمبر کے لکھنے پڑھنے سے متعلق حدیث کو تین اور مشائخ نے دیگر اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے جو کلی طور پر "علی بن حسان" اور "علی بن اسباط" پر جاکر ختم ہوتی ہے اور یہ ہے اس کی تفصیل۔

صدوق "علل الشرائع"[2] میں مذکور حدیث کے اسناد کو اس طرح پیش کرتے ہیں۔

---

[1] علل الشرائع ص ۵۳، اور معانی الاخبار ص ۲۰۔

[2] ص ۵۲

ابن ولید، عن سعد، عن الخشاب، عن علی حسان، وعلی بن اسباط، وغیرہ وغیرہ
عن ابی جعفر۔

صفار، بصائرالدرجات[۱] میں ان افراد کو سند حدیث قرار دیتے ہیں۔
عبداللہ بن محمد، عن الخشاب، عن علی ابن اسباط وغیرہ۔

"عیاشی" نے اپنی تفسیر میں تمام اسناد سے صرف ایک شخص علی بن اسباط کا نام لیا ہے۔

جواب:- وہ دو اشکال جو پہلی روایت میں پائے جاتے تھے اس روایت میں بھی موجود ہیں اگر پہلی روایت جعفر بن محمد صوفی کے حوالے سے ضعیف تھی تو یہ روایت باوجود اس کے تین مشائخ حدیث نے اسے نقل کیا ہے مرفوعہ[۲] ہونے کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے یعنی اس حدیث میں امام علی بن اسباط کے درمیان کوئی راوی نہیں ہے۔

اور مرسل اور مرفوعہ حدیث استادان حدیث کے نزدیک معتبر نہیں ہے۔ پھر یہ کہ لفظ امی کو "ام القریٰ" سے نسبت دی گیا ہے اور یہ بات عربی کے مسلمہ قواعد کے موافق نہیں ہے۔

علاوہ ازیں اگر جناب ختمی مرتبتؐ ملاء عام میں لکھتے پڑھتے تھے تو ہمیں یہ بات تواتر سے ملنی چاہیئے تھی نہ کہ ان روایات کے ذریعہ جو احاد ہونے کے علاوہ بہ اعتبار اسناد اشکالات رکھتی ہوں۔

آپ کی زندگی کی تمام خصوصیات کو قلم بند کرنے والے محققین نے آخر کس طرح آپ کے گوشہ حیات سے غفلت برتی ہے اس لئے ہم اس قسم کی روایات کو قابل یقین نہیں سمجھتے۔

تیسری قسم

روایات کی تیسری قسم وہ ہے جو جناب ختمی مرتبتؐ کے عمل کو اس کے عنوان سے پیش

---

[۱] ص ۶۲ [۲] مرفوعہ روایت وہ ہے جس میں راوی امام اپنے درمیان کے واسطہ کو حذف کر جائے اور لفظ "رفع" استعمال کرے۔

کرتی ہے کہ آپ پڑھنے لکھنے سے نابلد تھے ۔ جیسے ۔

۱ خالد بن ولید نے "بریدہ الحصیب" کے ہاتھوں حاکم وقت سے شکایات بھرا خط جناب ختمی مرتبت کی خدمت میں روانہ کیا۔ آپ نے وہ خط کسی اور سے پڑھوایا[۱]

ایک کمانڈر کا خط جو اعلیٰ افسر کے ہاتھوں وہ بھی میدانِ جنگ سے آپ کو پہنچا ہو بڑی اہمیت کا حامل ہے اگر خطوط کا مطالعہ جناب ختمی مرتبت کا معمول رہا ہو تو اس قسم کا اہم خط بھی آپ ہی کو پڑھنا چاہیئے تھا نہ یہ کہ آپ کسی اور سے اس کو پڑھواتے۔

۲ حدیبیہ کے واقعہ میں جس کی تفصیلات آپ گذشتہ صفحوں میں پڑھ چکے ہیں جناب ختمی مرتبت نے حضرت علیؑ سے فرمایا ۔ میری انگلی رسول اللہ کے لفظ پر رکھ دو تاکہ میں خود اسے مٹا دوں ۔ یہ جملہ اس شخص کی زبان سے نہیں نکل سکتا جو الفاظ اور حروف سے آشنا ہو۔

ان روایات کے بارے میں ہماری گفتگو

یہ روایات بعض وجوہات کی بنا پر قابلِ اعتماد نہیں۔

الف ، روایتوں کی یہ تین قسمیں ایک دوسرے سے بالکل مختلف اور متضاد ہیں۔ راویوں کے پہلے گروہ نے پیغمبر کے لیے صرف پڑھنے کو ثابت کیا ہے اور لکھنے کی نفی کی ہے دوسرا گروہ دونوں امور کی تاکید کرتا ہے ۔ تیسرا گروہ دونوں کی عملاً نفی کرتا ہے۔

ان اختلافات کے بعد ہم ان کے مفہوم پر کیسے اعتماد کر سکتے ہیں لیکن اگر ان روایات پر عمل مقصود ہو تو پہلی قسم زیادہ صحیح روایتوں کی بنیاد پر دوسرے دو اقسام پر مقدم ہے

ب : ان روایات کے بیشتر اسناد مکمل طور پر غیر قابلِ اعتماد ہیں۔

ج ، پیغمبر کی زندگی کے ایک ایسے اہم پہلو کے بارے میں تاریخ نویسوں نے کوئی ایسی بات نہیں لکھی حالانکہ انہوں نے آپ کی زندگی سے متعلق اس سے بھی زیادہ غیر اہم باتوں

---

[۱] اسد الغابہ ج ۱ ص ۱۷۶ ، الدرجات الرفیعہ فی طبقات الشیعہ الامامیہ صفحہ ۱۸۲۔

کو محفوظ کیا جائے۔ اس اعتبار سے بھی یہ روایت غیر یقینی ہیں۔

پس ہمیں کیا کرنا چاہئے؟

محترم قارئین اس دقیق بحث کے جائزہ کے بعد ہمیں ان تین نظریوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔

پہلا وہ نظریہ ہے جسے عظیم شیعہ دانشور سید مرتضیٰ مرحوم نے اپنے لئے انتخاب کیا انہوں نے دلائل میں جب عجیب تناقص دیکھا تو بعد بعثت کے بارے میں کوئی قطعی فیصلہ نہ کرسکے لہٰذا انہوں نے صریحاً اس بات کی نفی کی کہ پیغمبر قبل بعثت لکھنا پڑھنا جانتے تھے لیکن بعد بعثت کے بارے میں انہوں نے توقف اختیار کیا۔

دوسرا:۔ ایسی کوئی حدیث جسے قاطع کہا جائے ہمیں نہیں ملی جو یہ ثابت کرتی ہے کہ بعثت پیغمبر اکرمؐ کی کیفیت قبل بعثت سے بدل گئی ہو۔

لکھنے پڑھنے پر آپ کی توانائی کے بارے میں ہمیں نہ کوئی قطعی حدیث ملی اور نہ کوئی قابل اعتماد سند۔

تیسرا:۔ آخری انعطاف جسے پیش کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ ہم کہیں کہ حرا میں پہلی وحی کے موقع پر جناب ختمی مرتبت کے نظروں کے سامنے سے تمام حجابات اٹھا لئے گئے جس کے زیر اثر آپ لکھنے پڑھنے اور تمام نقوش و حروف پر قدرت حاصل ہوگئی لیکن آپ نے تمام عمر مطلقاً اس سے استفادہ نہیں کیا یا پھر پہلے گروہ کے مطابق جن میں صحیح روایات بھی موجود ہیں جناب رسالتمآب خطوط کا مطالعہ فرماتے تھے مگر آپ نے کبھی کوئی خط نہیں لکھا۔